لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ
مجلس صحافت و نشریات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
جلد ۲۹ ۲۵ جون ۱۹۹۲ء مطابق ۲۳ ذی الحجہ ۱۴۱۲ھ شمارہ ۱۶

اداریہ
(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی)

ملک و ملت دونوں خطرہ میں

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا وہ فکر انگیز خطبۂ افتتاحیہ ہے جو اتحاد ملت کانفرنس منعقدہ ۲۳، ۲۴ مئی بمبئی کے موقع پر پڑھا گیا قدرے تلخیص کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے۔

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس وقت ہمارا ملک اور ہماری ملت دونوں ایسے خطرات و مصائب اور ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہیں، جو ملکوں اور ملتوں کی زندگی اور تاریخ میں بعض اوقات صدہا برس کے بعد اور بعض اوقات اس سے بھی زائد عرصہ کے بعد پیش آتی ہے اگر اس کی جلد خبر نہ لی گئی، تو پہلے یہ ملت اپنے تشخص، اپنی مذہبی آزادی، اپنی ثقافت و تہذیب اور اپنے عزیز سرمایہ (معابد و مدارس علمی ذخیرہ اور زبان و ادب) سے محروم ہو گی، پھر یہ وسیع اور شاندار ملک مکمل طریقہ پر تباہ ہو کر رہ جائے گا، بغض و عناد، بدگمانی اور بے اعتمادی کی فضا، انسانی جان اور عزت و آبرو کی بے وقعتی، مردم آزاری و آدم بیزاری، عقل پر جذبات کی حکمرانی، دور اندیشی پر کوتاہ اندیشی کا غلبہ، ملکی مفاد پر ذاتی اغراض کی ترجیح، جذبات کے پیچھے بہہ جانے، اور کھوکھلے نعروں کے پیچھے دیوانہ بن جانے کی عادت، ایک ایسا زہر ہے جو بڑی سے بڑی قوم اور ملک کی ہستی کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، فرقہ وارانہ فسادات، تنگ نظری، مفاد پرستی، حد سے بڑھا ہوا احساس برتری، جذبات سے مغلوب ہو جانے، روئی کی طرح جلد آگ پکڑ لینے اور بارود کی طرح بھک سے اڑ جانے کی صلاحیت، کسی ایک میدان میں محدود اور کسی ایک فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتی، نفرت و اقتدار کی بڑھی ہوئی ہوس کی آگ کو اگر جلانے کے لئے ایندھن نہ ملے تو وہ خود کو کھانے لگتی ہے، دور جاہلیت کے ایک حقیقت پسند عرب شاعر نے عرصہ ہوا کہا تھا

والنار تاکل نفسہا — ان لم تجد ما تاکلہ

(آگ اپنے کو کھانے لگتی ہے اگر اس کو کچھ اور کھانے کو نہ ملے)

ملک کی سیاسی جماعتیں ہر مسئلہ کو سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھنے، جماعتی نفع و نقصان اور انتخابات میں ہار جیت کے پیمانے سے ناپنے کی عادی اور پابند ہو چکی ہیں، وہ تخریب میں اپنی تعمیر، تفریق میں اپنا اتحاد اور دوسروں کے نقصان و مصیبت میں اپنا فائدہ اور اپنی ترقی سمجھتی ہیں، جس ملک میں انسانی جان اتنی ارزاں ہو کر موہوم سیاسی مقاصد، محدود ذاتی اغراض اور عارضی اور مشکوک اقتدار کی خاطر سیکڑوں ہزاروں ہم وطنوں کی جان لی جا سکتی ہو، جہاں ایک نعرہ، ایک تقریر، اور ایک اشتہار پر دیکھتے دیکھتے بیسیوں گھر بے چراغ اور سیکڑوں بچے اور عورتیں لاوارث کی جا سکتی ہوں، تنگ نظر اور مفاد پرست فرقہ وارانہ قیادت، احیاء پرستی کے جذبہ، غلط تاریخ اور غلط تعلیم و تربیت، غیر دیانت دار اور وطن دشمن صحافت (پریس) روزانہ نفرت و عداوت کے زہر کی ایک بڑی مقدار اس ملک کے علاقوں، کروڑوں باشندوں کے دل و دماغ میں اتارتی رہتی ہے، اس نے تصویر کا صرف ایک ہی رخ پیش کرنے کی قسم کھائی ہے، اس نے ہماری نئی نسل کے دماغوں کو اتنا مسموم کر دیا ہے اور اس کو اتنا بے برداشت، غضب ناک اور زود رنج بنا دیا ہے اور اس میں مشتعل ہو جانے کی ایسی صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ سارا ملک بارود کی ایک سرنگ کی طرح ہو گیا ہے جس کو ایک ذرا سے اشارے

سرپرست
مولانا معین اللہ ندوی
نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ادارۂ تحریر
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی

مشاورت
مولانا نذر الحفیظ ندوی — مولانا سلمان حسینی ندوی
مولانا محمد خالد ندوی — مولانا عبداللہ حسنی ندوی
مولانا محمد رضوان ندوی — ڈاکٹر ہارون رشید

خط و کتابت و منی آرڈر کا پتہ
منیجر تعمیر حیات پوسٹ بکس 93
ندوۃ العلماء لکھنؤ 226007 (یوپی)

زر تعاون ملکی
سالانہ — پچاس روپے ۵۰
فی شمارہ — ۲/۲۵

بیرون ملک فضائی ڈاک
ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک
۲۵ ڈالر

بیرون ملک بحری ڈاک
بحری ڈاک جملہ — ۱۰ ڈالر

نوٹ:-
ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں، اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ کریں

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہونچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پچاس روپے بذریعہ منی آرڈر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر ارسال فرمائیں

چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں
نمبر یاد نہ ہونے کی صورت میں جس نام و پتہ پر تعمیر حیات جاتا ہے اس کی صراحت منی آرڈر کوپن پر ضرور کریں
اور اگر جدید خریدار ہیں تو بھی صراحت ضروری ہے

درس حدیث

بندۂ مومن کی پریشانی دور کرنے کا صلہ آخرت میں

ڈاکٹر محمد لقمان اعظمی ندوی —— ترجمہ شمس الحق ندوی

عن ابی ہریرۃ عن النبی قال: من نفس عن مؤمن کربۃ من کرب الدنیا نفس اللہ عنہ کربۃ من کرب یوم القیامۃ، ومن یسر علی معسر یسر اللہ علیہ فی الدنیا والآخرۃ، ومن ستر مسلما ستر اللہ فی الدنیا والآخرۃ، واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ، ومن سلک طریقا یلتمس فیہ علما سہل اللہ بہ طریقا الی الجنۃ، وما اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللہ تعالی یتلون کتاب اللہ ویتدارسونہ بینہم الا نزلت علیہم السکینۃ، وغشیتہم الرحمۃ، وحفتہم الملائکۃ، وذکرہم اللہ فیمن عندہ، ومن بطا بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مومن کی دنیاوی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی آخرت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور کرے گا۔ اور جو کسی مشکل والے کی مشکل آسان کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی مشکل دنیا اور آخرت میں آسان کرے گا اور جو مسلمان کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا اور جو اپنے بھائی کی مدد میں ہو گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہو گا اور جو علم کی تلاش میں راستے طے کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمائے گا، اور جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں جمع ہوں گے اور اللہ کی کتاب پڑھیں گے اور آپس میں سنائیں گے تو ان کے دلوں پر تسکین اترے گی، اور رحمت ان کو ڈھانپ لے گی، اور فرشتے ان کو گھیر لیں گے، اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس والوں میں ان کا ذکر فرمائے گا اور جو اپنے عمل میں سستی کرے گا تو اس کو اس کا نسب نہیں بڑھا سکتا۔ (مسلم)

یہ حدیث ایمان کی عملی تصویر کا اعلیٰ نمونہ پیش کرتی ہے اور باہم بھائی چارگی کا حسین ترین و دل آویز مفہوم سامنے لا کر اخوت کے روشن ترین نقوش کا آئینہ دکھاتی ہے، اور ایک ایسے ماحول کو وجود بخشنے میں مدد کرتی ہے جو میل جول کا اعلیٰ نمونہ ہوتا ہے، یہ حدیث ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی داغ بیل ڈالتی ہے جس میں مسلمان اپنے دینی بھائیوں کی مدد کا شائق ہوتا ہے ان کی دشواریوں کو آسان بناتا ہے، مصیبتوں کو دور کرتا ہے۔ راحت و مصیبت، خوشی اور غمی ہر حال میں اس کا شریک حال ہوتا ہے۔ یہ پوری حدیث دنیا میں انسان کے عمل اور آخرت میں اس عمل کے صلہ و جزاء کو آمنے سامنے کر کے بیان کر دیتی ہے۔ امام نوویؒ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نہایت عظیم الشان ہے۔ یہ حدیث کئی طرح کے علوم، اصول اور آداب کی جامع ہے، حدیث کی ابتدا "مَن نَفَّسَ" کے لفظ سے ہوئی ہے۔

مصیبت دور کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے اس بندہ کو چھٹکارہ دلا دیا، حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی ضرورت پوری کر دینے حتی المقدور ان کو فائدہ پہنچانے کی کیا فضیلت ہے خواہ یہ مدد اپنے علم و واقفیت کے ذریعہ ہو یا مالی اور اخلاقی تعاون وغیرہ کے ذریعہ ہو۔

حدیث میں ہے اور "جو مسلمان کی ستر پوشی کرے گا" ستر پوشی کا مطلب یہ ہے کہ اس کی لغزشوں اور بھول چوک سے ہو جانے والی غلطیوں کو لوگوں سے چھپائے ان کو ہر جگہ بیان نہ کرتا پھرے، ہاں اگر کسی بڑے گناہ میں اس کو مبتلا دیکھے تو اس پر بے تکلف ناگواری ظاہر کرے اور اس کو اس گناہ سے روکے، اور اگر ایسا کرنے پر قادر نہ ہو تو موقع و مصلحت کی رعایت کرتے ہوئے حاکم وقت کو مطلع کرے، کیونکہ ایسے جرم و خطا سے ستر پوشی اس شخص کے اندر فساد و بگاڑ، ایذا رسانی، لوگوں کی پردہ دری کے عیب کو برابر بڑھاتی جائے گی اس کو دیکھ کر دوسروں میں بھی ان جرموں کے ارتکاب کی ہمت و جرات پیدا ہو گی۔

"جو اپنے بھائی کی مدد میں ہو گا اللہ تعالیٰ اس کی مدد میں ہو گا" حدیث پاک کا یہ جملہ بندۂ مومن کے اندر مال و دولت، اپنا وقت اور کد و کاوش سبھی کچھ اپنے بھائی کے لئے لگا دینے کا جذبہ اور حوصلہ پیدا کرتا ہے۔ اس لئے کہ بندۂ مومن یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اس عمل اور جذبہ کو دیکھ رہا ہے، لہٰذا وہ بہتر سے بہتر ایثار و قربانی دینے میں ذرا بھی نہیں ہچکچاتا، حدیث کا ایک کھلا ہوا مفہوم یہ بھی ہے کہ جب اپنے بھائی کی مدد کا ارادہ کرے تو حق بات کو کھل کر بیان کرنے میں بزدلی کا مظاہرہ نہ کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود اس کی مدد میں ہے۔

حدیث شریف باہم ربط و تعلق، بھائی چارگی، ایک جگہ جمع ہونے کی فضیلت کو بتاتی ہے، اور اس کا مرکزی نکتہ اجتماعی طور پر قرآن کریم کی تلاوت اور سیکھنا سکھانا ہے، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان معاشرہ میں جب کچھ لوگ مسجد میں تلاوت کلام پاک کی غرض سے جمع ہوتے ہیں، اس کے مفہوم و معانی پر غور و فکر کرتے ہیں آیات کے مفہوم و معانی کا باہم مذاکرہ کرتے ہیں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں، جمع ہونے والوں کے مقاصد میں جب یہ چیزیں پائی جاتی ہیں تو اس کا سب سے پہلا صلہ تو یہ ملتا ہے کہ ان پر سکینہ اور اطمینان کا نزول ہوتا ہے وقار و تمکنت ان پر سایہ فگن ہو جاتا ہے، دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت چھا جاتی ہے تیسرے یہ کہ ان پر رحمت خداوندی کا ایسا نزول ہوتا ہے کہ وہ ان پر ایک سائبان کی طرح سایہ فگن ہو جاتی ہے، چوتھی یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کا تذکرہ اپنی بارگاہ میں حاضر فرشتوں سے بطور پسندیدگی اور اعزاز و تکریم کے فرماتا ہے۔

اس طرح عمل ہی جیسا بدلہ بھی ملتا ہے اور مقصد قبول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جو صلہ و بدلہ ہے وہ سب سے بہتر اور دائمی ہے، اللہ تعالیٰ نیکوں کے اجر کو رائگاں نہیں فرماتا۔

حدیث سے فقہی استنباط

جب قرض خواہ کو قرض دار کی تنگ حالی کا علم ہو جائے یا اس کو یہ اندازہ ہو جائے کہ یہ نادار ہے تو پھر اس سے تقاضا کرنا درست نہیں اگرچہ حاکم کے پاس عدالت میں دلائل و بیان سے اس کی تنگی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچ سکے،

تنگ حال قرض دار کے ساتھ سہولت و آسانی کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ اس کو اس وقت تک مہلت دی جائے جب تک مالدار نہ ہو جائے۔

حدیث سے مزید معلوم ہوتا ہے

حدیث پاک کی رو سے مسلمانوں کی ستر پوشی یعنی ان کے عیوب کو چھپانا لازم ہے صحابۂ کرام کا یہ حال تھا کہ اپنے بھائیوں کے حالات معلوم کرتے رہتے اور ان کے معاملات میں سہولت بہم پہنچانے کے بڑے شائق رہتے تھے،

حضرت ابوقتادہ سے مروی ہے کہ انھوں نے اپنے قرض دار کو ڈھونڈا تو وہ چھپ گیا پھر بعد میں جب ملا تو اس نے اپنی تنگ حالی کا عذر پیش کیا حضرت ابوقتادہ نے پوچھا کیا سچ کہتے ہو۔ اس نے کہا ہاں میں سچ کہتا ہوں تو حضرت ابوقتادہ نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "جس کو اس بات سے خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کی مصیبتوں سے نجات دے تو اس کو چاہئے کہ تنگ حال قرض دار کو مہلت دے یا سرے سے قرض ہی معاف کر دے"۔

یہ حدیث اخوت اور برادرانہ برتاؤ کی عملی تطبیق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کو عملی طور پر پیش کرنے کی جیتی جاگتی تصویر ہے، اس وقت کے موجودہ حالات و ماحول میں ہمیں اس طریقہ کو اپنانے کی کتنی شدید ضرورت ہے۔

حدیث پاک حصول علم پر زور دیتی ہے اور اس کی تاکید کرتی ہے اس طرح کہ چشمۂ علم سے سیراب ہونے کے لئے برابر کوشاں رہنا چاہئے۔

باقی صفحہ ۱۵ پر

سے بروقت اڑایا جاسکتاہے

اسی سلسلہ کی چند نہ داحیائیت HINDU Revivalism کی تحریک ہے، سیکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (ابھی یا بری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے حقیقت پسند فراخ دل اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارہ کیا، ان کے سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش اس ملک کو نئے مسائل و مشکلات سے دوچار کرے گی، جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت، اور اسی طرح حکومت، انتظامیہ اور دانش ور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی، جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں، سالمیت اور استحکام میں ضرورت ہے، تاریخ ایک سویا ہوا شیر ہے اس کو جگانا نہیں چاہئے اس کے پاس سے خاموشی سے نکل جانا چاہیے، تاریخ کو الٹا سفر کرانا اور ماضی کے گڑے ہوئے مردوں کو جو صدیوں سے سوئے ہوئے ہیں اکھاڑنے کی کوشش کرنا (عبادت گاہوں کی تبدیلی وغیرہ) کوئی عاقلانہ فعل نہیں ہے اور اس وقت ملک کو جن حقائق اور مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اس میں اس کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے، اس سے ملک نئی نئی مشکلات اور غیر ضروری نزاعات میں پڑ جائے گا اور وہ ترقی پذیر زمانے کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔

انگریزوں نے (چونکہ وہ سات سمندر پار آکر اس ملک پر حکومت کر رہے تھے جن کا ان کو کوئی استحقاق نہ تھا، اور وہ اپنی حکومت کو صرف خوف و رعب کے ذریعے ہی قائم رکھ سکتے تھے) پولیس کی شکل میں ایک ایجنسی قائم کی جو لوگوں پر حکومت کا خوف و رعب قائم کر سکے اور وہ ہمیشہ اس سے لرزہ براندام رہیں اور اپنی عزت و عافیت کی خیر منائیں، انھوں نے نہ صرف اس میں کام کرنے والوں کی اخلاقی تربیت سے اعراض کیا، بلکہ اس کو اس کے برعکس ایسی تعلیم دی، اور اس کو اسی کی کامیابی کا معیار قرار دیا، جس سے ہر شریف آدمی اور باعزت انسان ڈرتا ہے۔

جب خود ہندوستانی اور اہل ملک، ملک کی حکومت اور انتظامیہ پر فائز ہیں تو ان کو پولیس کی انسانی و اخلاقی تربیت کرنی چاہئے، ان میں خدمت و اعانت و ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے، اور پولیس کو ایک ایسے شریفانہ ادارہ اور ہمدرد انسان اور اپنے ہم وطنوں کے خادم کی شکل میں تبدیل کر دینے کی کوشش کرنا چاہئے کہ لوگوں کا ان کے بارے میں تصور و تاثر بدلے، اور وہ ان کو اپنا محافظ و معاون سمجھیں ان کے دائرہ اثر میں کوئی فرق کسی فرقہ کے ساتھ

کوئی فرد کسی فرد کے ساتھ زیادتی نہ کر سکے، اور وہ فرقہ وارانہ فسادات اور ظلم و تعدی کے راستے میں (خواہ وہ کسی فریق کی طرف سے ہو) سد سکندری بن جائیں۔

آخر میں لیکن پوری وضاحت و صراحت اور اہمیت و تاکید کے ساتھ یہ حقیقت پسندانہ اور خیر خواہانہ مشورہ کہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت اور کسی ایسے اقدام اور قانون سازی سے مطلقاً پرہیز و احتیاط کی جائے جس کو مسلمان اپنے دین میں مداخلت اور دستور ہند کی دی ہوئی آزادی کی تنسیخ کا مرادف سمجھیں، دنیا کے بہت سے ان ملکوں سے جہاں مسلمانوں کی اکثریت پائی جاتی ہے یہاں مختلف اسباب کی بنا پر (جن سے بحث کرنا بے سود اور واقعات کی منطق کے خلاف ہے) زیادہ مذہبیت اور دینی احساس و حمیت پائی جاتی ہے اس لئے یہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اور ملک کی اس عظیم ترین اقلیت کی (جس کو ملت کہنا زیادہ صحیح ہوگا) مذہبی آزادی میں (جو جارحانہ OFENSIVE اور امن عامہ کے خلاف نہیں) اس کے پرسنل لا میں جو اس کے مذہب کا جزء ہے، اس کی مذہبی تعلیم اور اس کے مرکزوں اور اداروں میں جو ملک کے لیے مضر ہونے کے بجائے تعلیم و تہذیب پھیلانے اور دوسرے ملکوں میں اس ملک کا نام بلند کرنے کا ذریعہ ہیں کسی نام یا کسی انتظامی قانون کی بنا پر مداخلت کرنا اس اقلیت کے دل و دماغ میں (جو بعض ملکوں کی پوری پوری آبادی سے زیادہ تعداد میں ہے) بے اطمینانی و بے چینی پیدا کرنے کا باعث ہوگا اور ملک کی تعمیر و ترقی اور اس کے حصول کے لئے مخلصانہ جد و جہد اور تعاون پر اثر انداز ہوگا۔

اس ملک کا اخلاقی انحطاط اپنے آخری نقطہ کو پہنچ گیا ہے، دولت پیدا کرنے کے جذبے نے اور تھوڑے سے تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ کما لینے کے شوق نے جنون کی شکل اور سرسام HYSTERIA کی کیفیت اختیار کر لی ہے اور سب پر دولت کمانے اور زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کرنے کا بھوت سوار ہو گیا ہے، یہ جذبہ ملک کے ہر مفاد اور ہر ملکی و سیاسی مصلحت سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، وہ مذہب و اخلاقیات، شرافت و معقولیت، شہریت اور آئین سب کے حدود پھلانگ گیا ہے، ہر محکمہ میں سخت بدنظمی، ہر شعبہ میں سخت ابتری، ہر مورچے پر نااہلیت کا دور دورہ اور رشوت ستانی کی گرم بازاری ہے، انتہا یہ ہے کہ لوگ عاجز آ کر انگریزوں کے دور کی باقاعدگی اور زندگی کی سہولتوں کو یاد کرنے لگے ہیں اور بعض اوقات اس دور خلافی

کو اس دور آزادی پر ترجیح دینے لگتے ہیں یہ کسی ملک کے لیے ننگ و عار کا آخری درجہ اور صاحب اقتدار جماعت کی ناکامی اور نااہلی کی آخری دلیل ہے، کہ لوگ بدیسی حکمرانوں اور ملک کی عزت کو خاک میں ملانے والوں کو یاد کرنے لگیں۔

ملک و معاشرہ کی موجودہ صورت حال کی (دل پر ہاتھ رکھ کر) یہ تاریک لیکن مطابق واقعہ تصویر سامنے لانے کے بعد جو اس موقر مجلس کے لئے اگرچہ ضروری نہ تھی لیکن وہ افادیت سے خالی بھی نہ تھی، تاکہ اس ملت کو جس کی اپنے پیغام کارِ منصبی اور اپنے تشخص و خصوصیات کے تحفظ کے سوا اپنے معاشرہ اور ماحول اور اپنے مسکن و وطن کی خدمت و حفاظت کی بھی ذمہ داری ہے، تاکہ وہ اس کو اپنے لئے بھی باعزت زندگی گذارنے کے قابل بنا سکے اور اہل وطن کو بھی سکون و اعتدال اور امن و امان کی ایسی زندگی گذارنے میں بھی مدد دے جس میں صلاحیتوں کو صرف کرنے اور اپنی حب الوطنی، انسان دوستی اور شرافت کا ثبوت دینے کا موقع ہو۔

پھر یہ وہ امت ہے جس کے متعلق (قرآن و حدیث کی روشنی میں) کہنے والے نے سچ کہا ہے ع

ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

اور اس احتساب کے ماسوا دنیا کی تعمیر نو کی بھی ہر زمانہ میں اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لیے اسی شاعر کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ ع

معمارِ حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاشرہ کے افراد کو ایک کشتی کے سواروں سے تشبیہ دی ہے، جس میں پست حال مکینوں اور مرفہ الحال بالانشینوں کی کوئی تفریق نہیں، اگر اس کشتی میں کسی مسافر کی ناعاقبت اندیشی سوراخ کر دے اور پانی آنے لگے، تو پھر اس کشتی کا کوئی مسافر بچ نہیں سکتا، اور وہ کشتی ڈوبے گی تو سب ڈوبیں گے، ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں، لیکن اس سوراخ کا بند کرنا ہماری حب الوطنی اور حقیقت پسندی کا بھی تقاضہ ہے، اور ہمارے اس منصب احتساب اور فلاح انسانیت کے فکر کا بھی جو ہمارے مذہب نے ہم پر عائد کی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی قلیل التعداد و مختصر جماعت مہاجرین کو جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئی تھی، اور چند سو سے زیادہ

اس کی تعداد نہیں تھی، قعر مذلت و ضلالت میں گرتی ہوئی دنیا اور جاں بلب انسانیت کی چارہ سازی اور مسیحائی پر مامور فرمایا اور دعوت و ہدایت کا کام کرنے اور صلاح و استقامت کا نمونہ بننے اور اتحاد و تعاون کی تاکید فرمائی اور ان لفظوں سے اس کو خطاب کیا، جو تاریخ انسانی بالخصوص ساتویں صدی مسیحی کی تاریخ پڑھنے والے کو عالم حیرت میں مبہوت کر دیتے ہیں:

إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُن فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ

اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد پھیلے گا۔

اس شاخ پر تبصرہ کرنے کے بعد جس پر تقدیر و حکمت الٰہی سے اس ملت کا نشیمن واقع ہے، اور ان خطرات کی نشاندہی کے بعد جو واقعات اور حقائق کی شکل میں اس کو درپیش ہیں، ہم اس نشیمن کو درپیش خطرات کے بارے میں بھی کچھ عرض کریں گے جو قیاسات نہیں، مشاہدات اور تجربات کی شکل میں دیکھنے والوں کے سامنے ہے۔

(۱) اس ملت کے لئے واسطہ جس کے لئے خدائی تعلیم اور ایک مقبول و متعین دین پر نہ صرف جینا اور مرنا ضروری بلکہ اپنی اولاد و نسل کے بارے میں بھی یہ انتظام اور اطمینان ضروری ہے کہ وہ بھی اسی خدائی تعلیم اور مقبول و متعین دین پر زندگی گذارے گی اور سفر آخرت اختیار کرے گی، اس لئے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ

وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ

اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔

وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا

اے ایمان والو بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

ایسی ملت کی ذمہ داری اس ملک میں بہت بڑھ جاتی ہے جہاں لازمی طور پر کوئی ایسا نظام اور نصاب تعلیم جاری ہو، جو اسلام کے بالمقابل عقائد کی تعلیم دیتا ہو اور جس کے مضامین اور مندرجات توحید و رسالت کے بنیادی اسلامی عقائد کے منافی اور شرک و ثنیت کے اعلانیہ داعی اور مبلغ ہوں جہاں مسلمان بچے بھی کسی دوسری مذہبی قوم کی دیومالا MYTHOLOGY پڑھنے پر مجبور ہوں جس کا یقین کرنے سے کوئی مسلمان (تاویل و تکلف کے ساتھ بھی) مسلمان نہیں رہ سکتا جہاں نصاب تعلیم، طرز تعلیم، رسوم و مظاہرات، لٹریچر، پریس، ذرائع ابلاغ (ریڈیو اور ٹی وی) کے ذریعے نہ صرف ذہنی اور ثقافتی نسل کشی

.... کی کوشش کی جاری ہے بلکہ مذہبی و اعتقادی نسل کشی کی بھی، اس لئے مسلمانوں کو اپنی آئندہ نسل اور اولاد کو اعتقادی، ایمانی اور ذہنی طور پر مسلمان رہنے کا انتظام کرنا ہوگا، اور ان کی بنیادی دینی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی اور اس کے لئے ان کی صحت اور ضرورت کے وقت علاج، لباس اور عام تعلیم سے زیادہ اس کی فکر اور اہتمام کرنا ہوگا، اور خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر اور پیغمبر زادہ حضرت یعقوبؑ کی طرح ان کو اپنی اولاد کے بارے میں وہی اطمینان حاصل کرنا ہوگا جو خدا کے اس پیغمبر نے اپنے فرزندوں کے بارے میں (جو تین پیغمبروں کی اولاد تھے) یہ کہہ کر حاصل کیا تھا کہ "مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي" (تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے) اور انھوں نے جواب دیا تھا کہ "نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ" (ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ و اسحاقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے، جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں)۔

اس کے لئے ہندوستان کی ملت اسلامی کو اپنی اولاد اور اپنی نئی نسل کی بنیادی دینی تعلیم کی ذمہ داری، غذا اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے برابر بلکہ (نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے) ان سے زیادہ ہی قبول کرنی ہوگی، اس کے لئے آزاد مکاتب اور مدارس کا قیام، گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے، خواتین و مستورات (ماؤں اور بہنوں اور بزرگ بیبیوں اور مربیات) کے ذریعہ بنیادی عقائد سے واقف اور پیغمبروں اور خصوصیت کے ساتھ خاتم الرسل اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور سیرت سے نہ صرف آشنا اور متعارف بلکہ گرویدہ اور معتقد بنانے کی کوشش کرنے اور ایمان و توحید کی محبت اور کفر و شرک سے وحشت اور دہشت کو گھٹی میں اتار دینے کی ضرورت ہوگی۔

دوسری طرف ان کی اردو کی تعلیم کا بھی انتظام کرنا ہوگا اور اس میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی جس میں وہ دینی، علمی و ثقافتی سرمایہ اور ذخیرہ ہے جو عربی زبان کے بعد کسی مسلمان ملک کی زبان میں نہیں ہے (اور بعض حیثیتوں سے وہ بعض شعبوں میں اس سے بھی فائق ہے) اس زبان سے مسلمان نسل کا یکسر نا آشنا ہو جانا اور اس میں لکھنے پڑھنے ہی نہیں اس کے سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جانا ایک ذہنی و لسانی نسل کشی کے مترادف ہے، جو اس کو اپنے ماضی سے، اپنے تمدن اور تہذیب سے یکسر نا آشنا بنا دے گا، اسی سلسلہ میں رسم الخط کا مسئلہ بھی آتا ہے، اس کی تبدیلی بھی کسی قوم کے اپنے قدیم علمی و تہذیبی سرمایہ

اور اپنے اسلاف کی نعمتوں اور اپنے ماضی سے رشتہ کاٹ لینے کی مرادف ہے، اور جیسا کہ فلسفی مؤرخ TOYANBEE نے لکھا ہے کہ:

"کتب خانۂ اسکندریہ کے مسلمان عرب فاتحین کے نذر آتش کر دینے کی روایت صحیح ہو یا غلط، اب ایسے کسی ذخیرہ کو نذر آتش کرنے اور برباد کر دینے کی قطعاً ضرورت نہیں رسم الخط SCRIPT کا بدل دینا کافی ہے"۔

اس لئے اردو رسم الخط کے قائم اور باقی رہنے پر اصرار و استحکام اس کے باقی رکھنے کی جد و جہد کی بھی ضرورت ہے، اور اس کی تعلیم کے بندوبست اور اس کے مراکز قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کے ایمان و عقیدہ کا جزء ہے کہ ان کا عائلی قانون FAMILY LAW اسی خدا کا بنایا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد و عبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید تصریحات سے بھرا ہوا ہے، مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں، اور اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم و خبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی، اس کی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے:

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بین اور (پورا) باخبر ہے۔

اسی طرح وہ زمانہ کا بھی خالق ہے، ہمارے لحاظ سے ماضی، حال و مستقبل کی تقسیم کتنی ہی صحیح اور ضروری ہو، اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لئے ایک بار یہ مان لینے کے بعد کہ وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے، جو ایک زندہ جاوید امت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لئے بنایا گیا ہے، تو ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلا منطقی تضاد اور (جہاں تک مسلمان کہلانے والے انتخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی و عملی نفاق کے سوا کچھ نہیں۔

پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل، متوازن، اور عادل ہونے اور زمان و مکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کے عقلی و علمی شواہد اور مسلم و غیر مسلم مشرقی و مغربی فضلاء اور جری و انصاف پسند مقننین کے واضح اعترافات اور عملی تجربے اتنے ہیں کہ کوئی سخن فہم ہی ان سے انکار کر سکتا ہے، اس موضوع پر

متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے اور بڑا قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ افق پر خطرہ کی علامتیں نمایاں ہو گئی ہیں اور یہ بادل جو ابھی کسی وقت برس جائے کسی وقت ضرور برسے گا، تو انھوں نے "مسلم پرسنل لا بورڈ" کے نام سے دسمبر ۱۹۷۲ء میں اسی بمبئی میں ایک متحدہ پلیٹ فارم بنایا، جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی نوعیت اور اس کے رخ کا جائزہ لیا جاتا رہے، تاکہ اچانک ان پر یہ بلا کوئی دوسرا مسئلہ "شبخون" نہ مارنے پائے، یہ ایک ایسا نمائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور عمومیت اور مختلف مکاتب خیال کی نمائندگی کے لحاظ سے تحریک خلافت کے بعد نہیں ملتی، مشترکہ طور پر بڑے اجتماعات دیکھنے میں نہیں آئے، اس بورڈ کی تشکیل اور اس کے ان شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لا میں اصلاح و ترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات کو ہوا کا رخ معلوم ہو گیا، اور اتنا ثابت ہو گیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صدفی صد متفق ہیں، اس لئے دانشمندی، حقیقت پسندی، اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضہ ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے، لیکن ذہنیتوں اور نیتوں کا مطالعہ فرقہ وارانہ اور سیاسی جماعتوں کا مشاہدہ اور مجالس آئین ساز کا تجربہ بتاتا ہے کہ اس بارے میں کلی اور دائمی طور پر مطمئن ہونے کا جواز نہیں ایسے مسائل کے بارے میں ہمیشہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے کہ ع

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

آخر میں اصلاح معاشرہ کا نمبر آتا ہے، بدقسمتی سے مسلمانوں نے اپنے گھر اور خاندانوں کے ماحول میں اللہ کے بتائے ہوئے اور اللہ کے رسول کے برتے اور سکھائے ہوئے عائلی قانون (رشتہ داروں کے حقوق و فرائض، تقسیم میراث، نکاح و طلاق، اور شادی بیاہ کے طریقوں) کے بارے میں سخت خود رائی، انحراف، رسم و رواج کی پابندی اور ہمسایہ قوم کی پیروی اور نقالی سے کام لیا ہے، شادی میں حد درجہ کا اسراف و فضول خرچی، نمود و نمائش، حدود شرعیہ سے تجاوز، اور آخر میں لڑکی والوں سے بڑھے چڑھے جہیز کا مطالبہ رواج پا چکا ہے (جس کو کہیں تلک اور کہیں "گھوڑا جوڑا" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے) یہ رسم و رواج غیر اسلامی اور غیر شرعی ہی نہیں بلکہ "جاہلیت حاضرہ" کی پیروی، غیر مسلموں کی اندھی تقلید اور دولت پرستی اور کاسہ لیسی کی حد سے بڑھی ہوئی لالچ کا وہ مظاہرہ ہے جو نہ صرف بے برکتی کا باعث ہے بلکہ بہت سی قابل نکاح لڑکیوں کے بیٹھے رہنے اور ان کے والدین اور سرپرستوں کی اس پریشانی کا سبب ہے جو بعض اوقات اور بعض مقامات پر خودکشی کر لینے اور زہر کھا لینے تک پہونچا دیتا ہے۔

اس صورت حال کے خلاف ایک موثر کل ہمہ گیر اصلاح معاشرہ کی مہم چلانے کی ضرورت ہے جو مساجد سے شروع ہو کر قصبوں شہروں قصبات اور محلہ محلہ پھیلے، اور وہ مسلمانوں کی زندگی اور معاشرہ اقدار و معیار عزت و شرافت اور احساس شعور میں انقلاب برپا کر دے، اور وہ ان رسوم جاہلیت، تقابل اور تفاخر کے غیر اسلامی طریقوں اور مظاہر دلوں سے توبہ کر کے دین حنیف اور صحیح اسلامی و نبوی منہج حیات کو اختیار کریں، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ملت کے بارہ میں ہم اس محدود اور قیمتی وقت میں انھیں چند نکات اور پہلوؤں پر اکتفا کرتے ہیں، اور حاضرین باتمکین سے جو زعماء صاحب فکر و مطالعہ ہیں، بلکہ ملی و اجتماعی، دعوتی و فکری، میدانوں سے تعلق رکھتے ہیں یہ کہہ کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

لیکن پھر ایک بار دل پر ہاتھ رکھ کر اور جگر تھام کر کہنا پڑتا ہے کہ ملک کو تباہی سے بچانے اور اس کے معاصر دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل کرنے کے لئے جو اس کی وسعت، کثرت آبادی، وسائل و ذخائر، شاندار تاریخ اور ایک ایسی ملت اور دین کی موجودگی کے شایان شان ہے، جس کی بنا پر اس کو خیر امت اور جس کے دین کو نعمت خداوندی اور آخری پیغام آسمانی کہا گیا ہے۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین، اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا احسان، اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

اگر یہ ملت ملک کو بچانے کی جد و جہد کرنا تو الگ رہا اپنے مسائل کو بھی مؤثر طریقہ پر پیش کرنے ملک کی اکثریت اور صاحب اقتدار جماعت کو ان حقائق سے آشنا، اور ان ضروریات اور تقاضوں کی تکمیل کے لئے آمادہ کرنے کے عمل میں عصری، اور اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ ابلاغ عامہ کے ذرائع اور پریس تک بھی اپنی ضروریات، احساسات اور جذبات کو نہیں پہنچا سکی، جو ایک شہری اور اس سے زیادہ اتنی بڑی اقلیت کا حق ہے جو ملک کے پورے سیاسی، انتظامی، فکری و اخلاقی ڈھانچے کو اگر اس میں اتحاد، عزم اور عمل و سلیقہ ہو متاثر کر سکتی، اور اس کو بنا اور بگاڑ سکتی ہے تو اس کو کسی معنی و مفہوم میں آزاد اور ایک جمہوری و نامذہبی (سیکولر) ملک کی باعزت اقلیت نہیں کہا جا سکتا۔

اسی کی دوسری وجہ ایک ایسے متحدہ و بیشتر خارج وفاقی مجلس، اور پوری ملت کی نمائندہ قیادت کا

فقدان ہے، جس کی آواز ملت کی آواز کہی جائے، اور جس کو پوری ملت کا اعتماد اور تعاون حاصل ہو، اور جو گروہی عصبیتوں، فرقہ وارانہ اختلافات یا طرز فکر، کسی مکتب خیال، ادارہ، مدرسہ، فقہی مسلک، خاندان، سلسلہ یا شخصیت کی مقبولیت و نامقبولیت، نیک نامی و بدنامی، کامیابی و ناکامی، تعریف و تنقید کے امکانات و مواقع سے بے نیاز و بالاتر ہو کر، دھڑکتے ہوئے دل کی آواز، حقائق کی تصویر کشی، بیماری اور تکلیف کی اصل جگہ پر انگلی رکھ دینے اور ایسے اظہار حقیقت کا فرض انجام دے جس میں نہ کسی گروہ، انجمن اور مکتب خیال کی رو رعایت ہو، نہ کسی تنظیم اور انجمن کی پاسداری، اور نہ اس کا یہ خیال بھی کہ اس کا فائدہ فلاں قیادت یا فلاں مرکز کو پہونچے گا اور اس کو ملت میں دوسری قیادتوں اور مرکزوں پر تفوق اور بالاتری حاصل ہوگی، اس کے پیش نظر صرف یہ ہو کہ ملک و ملت کے یہ مسائل، ضروریات اور وقت کے یہ حقائق اور صداقتیں ایک متحدہ پلیٹ فارم سے ایک متحدہ آواز میں صاحب اقتدار جماعت، حکومت اور محب وطن حقیقت پسند اور صاحب ضمیر تنظیموں اور افراد اور پریس و ذرائع ابلاغ تک پہونچ جائے، اور اس سے تغافل برتنا ہی نہیں بلکہ صرف نظر کرنا بھی صاحب اقتدار اور باختیار جماعت کے لئے اگر ناممکن نہیں تو دشوار ہو جائے۔

یقین مانئے کہ اگر ملت کا ایسا متحدہ پلیٹ فارم اور ایسی اجتماعی ساجد قیادت (جس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ شخص واحد کی شکل میں ہو، وہ مختلف جماعتوں، گروہوں، تنظیموں اور پلیٹ فارموں کے نمائندوں کا ایک مجموعہ بھی ہو سکتی ہے) وجود میں آجائے اور یہ بات ہر حال میں ملک کی حقیقت پسند اور باخبر آبادی، اصحاب اقتدار، جماعت اور ذرائع ابلاغ پر اچھی طرح واضح ہو کر یہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے منتخب نمائندے، معتمد و محترم قائد ہیں اور یہ ایک ملی وفاق ہے کہ پوری ملت کا ترجمان اور وکیل ہے، اس کی آواز ملت ہی نہیں ملک کی آواز ہے، اور یہ اس کا ضمیر اور اس کی زبان ہے، آپ یقین فرمائیں کہ اس کے بعد اس کی طرف سے ملک و ملت کی جو ترجمانی اور دونوں کے درپیش مسائل کی جو وکالت اور اس کی جو نمائندگی اور ترجمانی ہوگی، وہ ایک آزاد جمہوری ملک میں (جہاں کسی قابل لحاظ تعداد اور موثر عنصر اور آبادی کے کسی معتد بہ حصہ کے مطالبے، شکایت اور حقیقی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا) وہ ضائع نہیں جائے گی، اپنا اثر کرے گی اور ملک کو تباہی اور ملت کو دینی، تہذیبی، لسانی اور ثقافتی نسل کشی سے بچائے گی۔

لو! وہ بھی کہتے ہیں؟

قومی آواز کے نامہ نگار کے ایک سوال کے جواب میں مرکزی نائب وزیر داخلہ مسٹر رام لال راہی نے بتایا کہ اتر پردیش میں محکمہ پولیس ہی کیا سب ہی محکمے ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہیں انھوں نے کہا کہ جیسی سرکار ہوگی ویسے ہی افسران ہوں گے۔

انھوں نے سیکڑوں لوگوں کے سامنے کہا کہ کوئی بھی سرکار ایک مخصوص مذہب کے نام پر حکومت کرنا چاہے تو کیا ایک جمہوریت میں وہ کامیاب ہوگی۔ یہ ملک کسی ایک مذہب یا کسی ایک فرقے کے لوگوں کا نہیں ہے اس ملک میں ہر ذات اور ہر مذہب کے لوگ بستے ہیں تو کیا ایک مذہب کے ماننے والے لوگ ہی ملک میں حکومت کر سکتے ہیں؟

انھوں نے بھارتیہ جنتا پارٹی پر الزام عائد کرتے ہوئے کہا کہ یہ سرکار صرف ایک مذہب کے سہارے چل رہی ہے اور چاہتی ہے کہ مسلمان اس ملک میں نہ رہیں اور ملک خالی کر دیں۔ اسی طرح سے ہندو بھی اس ملک کو خالی کر دیں کیوں کہ وہ بھی آرین ہیں اور یہ لوگ بھی ہندوستان میں باہر سے آئے ہیں چنانچہ مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی ہندوستان خالی کر دیں کیونکہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے نقطۂ نظر کا منطقی نتیجہ یہی برآمد ہوتا ہے اور اس طرح آریوں کی آمد سے قبل کے ہندوستانی باشندوں ہی کو ہندوستان میں رہنے اور حکومت کرنے کا اختیار ہے

بقیہ تعزیہ داری

تعجب ہے کہ ہمارے ماں باپ کو کوئی گالی دے تو ہم اس کو کسی قیمت پر برداشت کرنے کو تیار نہ ہوں اور جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین صحابہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ ملعون کہے اس سے ہم دوستی رکھیں اور ان کی خود ساختہ تعزیہ داری و عزاداری کو اپنے گلے لگائیں افسوس صد افسوس۔

حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے بارہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لے کر ان کے بچے اہل بیت بزرگوں تک کسی کا ایک کلمہ بھی ان کی مخالفت میں منقول نہیں، ایک قول یا ایک عمل بھی ان کے احترام کے خلاف منقول نہیں حتیٰ کہ حضرت زید بن زین العابدین سے عین میدان جنگ میں شیعوں کی طرف سے مطالبہ ہوا کہ خلفائے ثلاثہ کو برا کہو، انھوں نے کہا ہم تو اپنے گھر والوں سے ان کی کوئی برائی نہ سنی تو کیسے برا کہیں، شیعہ اپنی ضد پر اڑے رہے یہاں تک کہ حضرت زید کو چھوڑ دیا حضرت نے ان کو رافضی کہا، پھر حضرت زید ہشام کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے، تمام اہل بیت کے بزرگ ان شیوخ ثلاثہ کو حدیث نبوی کے مطابق مبشر بالجنۃ مانتے رہے پھر ایسے بزرگوں کو اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو قوم معاذ اللہ ملحد و مرتد کہے کیا ہم اس سے محبت اہل بیت کا سبق سیکھیں گے؟ ہرگز نہیں ہم کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل دین سکھا دیا اور صحابہ کرام اور اہل بیت عظام نے اس پر عمل کر کے بتا دیا وہی ہمارے لئے نمونہ ہیں نہ کہ یہ اہل تشیع یا ہمارا النفس، پس ہم دیکھیں کہ اس سلسلہ میں اللہ کے رسول نے کیا فرمایا اور علماء نے اس بارے میں کیا فتویٰ دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مرنے والے پر نوحہ و ماتم سے منع فرمایا ہے، حدیث میں ہے "لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النائحۃ و المستمعۃ" (مشکوٰۃ) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نوحہ کرنے والی اور سننے والی پر لعنت کی ہے۔

مروجہ تعزیہ داری اور اس کے لوازمات جو اوپر بیان ہوئے سارے ہی علماء کے نزدیک ناجائز ہیں۔ بریلوی علماء بھی ان ساری رسومات کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

جناب مولانا احمد رضا خاں صاحب عرفان شریعت میں لکھتے ہیں: "تعزیہ آتا دیکھ کر اعراض و روگردانی کریں اس کی طرف دیکھنا ہی نہ چاہئے"۔

اسی طرح احکام شریعت میں وہ مرثیہ خوانی کو ناجائز بتاتے ہیں اور شیعوں کی مجلسوں میں شرکت سے سختی سے منع کرتے ہیں۔

فرنگی محل لکھنؤ کے ایک بڑے جید عالم حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"تعزیہ بنانا، علم رکھنا، سینہ کوبی کرنا، مالیدہ اور شربت تعزیہ کے سامنے رکھنا، اس پر نذر و نیاز دینا، اس کو تبرک سمجھ کر کھانا پینا یہ سب امور بدعت اور ممنوع ہیں ان کا کرنے والا فاسق ہے۔"

میرے علم میں آج تک کسی بھی مفتی نے تعزیہ داری کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، سوچنے کی بات ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں کتنے صحابہ شہید ہوئے غزوہ بدر اور غزوہ احد کے شہداء کی برابری بعد کے شہداء نہیں کر سکتے لیکن حضور نے ان کے لئے موجودہ رسموں میں سے کسی رسم کا اشارہ و کنایہ تک نہ فرمایا۔ خود حضور کی وفات کا غم ایسا غم تھا جس کی برابری کسی بھی غم سے نہیں کی جا سکتی لیکن صحابہ کرام سے اس غم کے لئے اس طرح کی کسی رسم کا اشارہ تک نہیں ملتا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات پر صحابہ کرام کی طرف سے ہم کو کسی رسم کا پتہ نہیں ملتا حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی شہادت پر صحابہ کرام کے یہاں کسی نوحہ و ماتم کا سراغ نہیں ملتا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے یہاں ہم کو کسی ماتمی جلوس کی خبر نہیں ملتی حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر ماتمی باجہ نہیں بجتا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت زین العابدین کوئی تعزیہ نہیں رکھتے کیا ان تمام بزرگوں سے اس معاملہ میں کوتاہی ہوئی؟ ہرگز نہیں! ہم دین میں کوتاہ ہیں ان کے یہاں دینی امور میں کوتاہی کا گزر کہاں اصل میں یہ تعزیہ داری یہ عزاداری اسلام سے الگ کی چیز ہے جس کو شیطان نے اپنے دوستوں کے ذریعہ بعض مسلمانوں میں رائج کر دیا اب جو حضرات اس حقیقت کو سمجھ رہے ہیں ان کو چاہئے کہ نہایت دلسوزی اور اخلاص سے حکمت اور حسن موعظت کے ذریعہ جو بھائی اس تعزیہ داری میں مبتلا ہیں ان کو اس بلا سے نکالنے کی کوشش کریں میں بھی اس کوشش میں لگا ہوں اللہ ہم سب کی مدد فرمائے اور اپنی اور اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل اور ان کے اصحاب کی سچی محبت عطا فرمائے آمین۔

[illegible]

عالم اسلام مغرب کی خودسری اور سرکشی کا نشانہ

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(صدر شعبۂ ادب عربی)
ترجمہ:- محمد طارق اختر

اس وقت پورا عالم اسلام سیاسی، معاشی اور دینی بحران سے دوچار ہے۔ اور سامراجی طاقتوں کے ظلم و استبداد کی بھٹی میں تپ رہا ہے۔ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام کو ہر دور اور ہر زمانہ میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی کی آویزش ہر دور میں رہی۔ ابھی ماضی قریب کی بات ہے کہ پورا عالم اسلام برطانیہ، فرانس اور روس کے نوآبادیاتی نظام استبداد کے اثر سے کراہ رہا تھا، جبکہ ان تینوں سامراجی طاقتوں کو عالم اسلام کے مختلف حصوں پر تسلط حاصل تھا۔ اور ہر جگہ ان کی فرمانروائی کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ یہ طاقتیں عالم اسلام کے تمام وسائل ثروت اور مادی ذخیروں کا بلا شرکت غیرے مالک بنی بیٹھی تھیں، اور ان کے اہل فکر و سیاست ان ممالک کے مسلمان باشندوں کے ذہن و دماغ میں اپنے افکار و نظریات اور خیالات و تصورات کو پیوست کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان سامراجی حکومتوں کا نظریہ حیات سیکولر اور مسیحی افکار کے امتزاج سے مرکب تھا۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ سامراجی حکومتیں ایک طرف تو اپنے ہم وطن باشندوں کو ان کی سیاسی، معاشرتی اور دینی زندگی میں مکمل آزادی کے اسباب فراہم کرتی تھیں۔ تو دوسری طرف اپنے نوآبادیاتی ملکوں کے باشندوں کے لیے ایسی پالیسی اپنائے ہوئے تھیں جو انھیں الحاد و دہریت اور بے دینی کی راہ پر گامزن کراتی تھیں، اس کی مثالیں ان تعلیمی و فکری اداروں اور ان دانش گاہوں و تربیت گاہوں میں مل سکتی ہیں، جو مغربی امداد کے زیر سایہ پروان چڑھ رہی تھیں اور اسپتالوں اور امدادی تنظیموں کے طریقۂ کار اور ان کے طرز عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ انسانی تنظیمیں دراصل ایسے ذرائع کے طور پر استعمال ہو رہی تھیں جن کے ذریعہ مسلمانوں کے ذہن و دماغ کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ اور شمشیر و سنان اور توپ و تفنگ کے بجائے فکری و ثقافتی طور سے مسلمانوں کو پسپا کیا جا رہا تھا، کیونکہ مغربی استعماری مفکرین یہ سمجھتے تھے کہ سرد شمن کو کچلنے کے بجائے اس کی طبیعت کو بدل دینا زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔

مشرقی سر دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

اس وقت تک امریکہ دوسرے ملکوں پر اثر و تسلط جمانے کی طرف دھیان نہیں دے رہا تھا، کیونکہ وہ خود نوآبادیاتی ظلم سے نکلا تھا، اس میں ملک گیری اور وسعت پسندی کا اثر کسی دوسرے ملک پر ڈالنے کا شوق پیدا نہیں ہوا تھا۔ البتہ وہ سامراجی حکومتوں کا ہمنوا اور ہم نسل ہونے کے باعث ان کا معاون تھا۔ پھر قانون فطرت کے مطابق مغربی سیاسی سامراج کا زوال ہوا اور عالم اسلام کی سیاست سے اس کی بساط سمیٹ دی گئی۔ لیکن جبکہ ایک طرف سامراجیت کا خاتمہ ہو رہا تھا دوسری طرف امریکہ اپنے بال و پر نکال رہا تھا۔ اور دھیرے دھیرے اپنی سیاسی بساط آگے بڑھا رہا تھا، آہستہ آہستہ اس نے زبردست قوت و طاقت پیدا کر لی۔ مغربی سامراج کے زوال سے روسی سامراج کے زوال کو تاخیر ہوئی۔ بالآخر کئی دہائیوں کے فرق سے روس کا بھی جنازہ تیار ہو گیا، اور کمیونزم کے شکوہ اور اقبال نے دم توڑ دیا۔ سوویت یونین کی جمہوریائیں ایک ایک کر کے آزاد ہوتی چلی گئیں، بالآخر اس سرخ انقلاب کا خاتمہ ہوا جس کی آمد کو عالم پیر کے مرنے کے بعد جہان نو کے پیدا ہونے سے تعبیر کیا گیا تھا۔

ع دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

چند دہائیوں سے روس اور امریکہ دو بڑی طاقتیں بنی رہ گئی تھیں، روس کے زوال سے امریکہ پوری دنیا کا اکیلا آقا بن گیا، معاشی، تجارتی اور عسکری میدانوں میں اس کا اجارہ قائم ہو گیا، اس کے پاس اتنی سیاسی و معاشی طاقت اکٹھا ہو چکی ہے کہ کسی بھی ملک کو اپنے احکام و اوامر کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ مغربی سامراجی ملکوں نے بھی امریکہ کے ساتھ ہم نسل ہونے کی بنا پر پورا تعاون کیا، اس طرح مغربی رجحانات و مقاصد کو مشرقی اسلامی ممالک پر مسلط کیا جانے لگا اور اقتصادی و سیاسی میدانوں میں امریکہ کو خاص طور پر من مانی کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہوئی جہاں تک مشرق کے غیر اسلامی ملکوں کا تعلق ہے تو انھیں صرف سیاسی اور معاشی میدانوں میں امریکی دباؤ کا سامنا کرنا پڑا، لیکن مسلم ممالک کو سیاسی و معاشی دباؤ کے ساتھ ساتھ دینی اور ثقافتی حملہ کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح عالم اسلام پر دو طرفہ حملہ ہوا۔ ایک طرف دینی و ثقافتی یورش اور دوسری طرف معاشی و سیاسی حملہ، چنانچہ صورتحال یہ بن گئی کہ عالم اسلام کے کسی گوشہ میں کوئی دینی سرگرمی ظاہر ہوتی ہے یا اسلام کی معمولی چنگاری بھی اٹھتی ہے تو مغرب کی نیند حرام ہو جاتی ہے ذرائع ابلاغ حرکت میں آجاتے ہیں، اور اس دینی بیداری اور نشاط کو دبانے کے لیے مغرب اور امریکہ اپنے تمام تر وسائل استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اسلامی ممالک کو حریت و آزادی دیئے جانے کے داعی بنتے ہیں۔ اور ان کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ ان ملکوں کو جمہوری زندگی کا پورا حق حاصل ہے اور ان ممالک کے باشندوں کو مکمل اختیار ہے کہ اپنے مفاد و مصالح کے مطابق اپنی من پسند زندگی اختیار کریں اور اپنی مرضی کی حکومت قائم کریں، لیکن ان کا یہ دعویٰ اسلامی ممالک کے لحاظ سے محض پروپگنڈہ اور تشہیر کی حد تک ہے۔ واقعاتی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہیں درحقیقت مشرق کے لیے جمہوریت ایک صرف نعرہ ہے جس کی آڑ میں یہ مغرب کی آمریت عمل پیرا ہے۔ جس کو ایک خوشنما اور دل فریب شکل میں پیش کیا گیا ہے،

ع ہے وہی ساز کہن مغرب کا جمہوری نظام
جس کے پردے میں نہیں غیر از نوائے قیصری

مغربی ممالک نے جب مشرق کو اپنی سامراجیت کے چنگل میں لیا تو اس نے بہت سی زیادتیاں کیں، انسانی آزادیاں سلب کی گئیں، حقوق کی پامالی کی گئی، اور ہر طرح کے مشکلات و مسائل پیدا کیے گئے، اس کی ایک کھلی مثال اسرائیل کا قیام ہے۔ جس کو برطانیہ نے فلسطین کی مقدس سرزمین پر آباد کر کے عالم اسلام کے قلب میں خنجر گھونپ دیا، برطانیہ کے لگائے ہوئے اس پودے کو امریکہ نے سینچ سینچ کر ایک تناور درخت کی شکل میں تبدیل کر دیا۔ اور اس کی جائز و ناجائز بات کو تسلیم کی، خواہ اس سے وہاں کے باشندوں کی کتنی ہی حق تلفی کیوں نہ ہو۔ اور ان کے لیے کیسے ہی مسائل کیوں نہ پیدا ہوں، امریکہ نے اسرائیلی سلطنت کو تقویت پہونچانے اور اسے وسعت دینے میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، اور اب اس کے پڑوسی اسلامی ممالک کو مجبور کر رہا ہے کہ اسرائیل کے ساتھ رواداری سے کام لے کر اسے ایک دوست ملک کی حیثیت سے قبول کر لیں، اور ایک اچھے ہمسایہ کے تعلقات استوار کریں۔ مغربی سامراجیت نے بہت سے نسلی و گروہی مسائل بھی پیدا کئے ہیں جن کی مثالیں ان اسلامی ممالک میں مل سکتی ہیں جن پر برطانیہ و فرانس کا تسلط تھا، اور اب امریکہ وہاں اپنا اثر و رسوخ مختلف مخفی ذرائع سے بڑھا رہا ہے، اسی طرح انھوں نے ایسی نسل پیدا کر دی جس کی بنیاد دین اسلام کی حقانیت اور اسلامی مبادیات پر شک و شبہ پر تھی، اسی طرح انھوں نے ایسے اداروں اور تنظیموں کی سرپرستی بھی کی جنھوں نے ادب، ذرائع ابلاغ، صحافت اور تعلیم گاہوں کے ذریعہ اسلامی عقائد سے لوگوں کو برگشتہ کیا، اور یہ فکری مراکز ایسے خطرناک ہتھیار ثابت ہوئے جن سے نئی نسلوں کے بہت سے افراد ارتداد کے بھیانک شکنجے میں جکڑے جاتے رہتے ہیں، سچ کہا ہے علامہ اقبال نے۔

ع تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

اس طرح امت مسلمہ دو طبقوں میں بٹ گئی، ایک وہ طبقہ جسے سیاسی غلبہ حاصل ہے۔ اور دوسرا عوام الناس کا طبقہ جسے ذرائع ابلاغ کی طاقت حاصل نہیں ہے، تمام اسلامی ممالک کے افراد اسلام کی سربلندی اور غلبہ چاہتے ہیں جبکہ مغربی مکاتب فکر کے معتقدین اور اس کے سیاسی کارندے اسلام کے نفاذ کی راہ میں سد سکندری بننے کی کوشش کر رہے ہیں۔

خلیج میں جنگ و فساد کا المناک واقعہ پیش آیا، جس میں امریکہ کی سازش پوری کارفرما تھی اس کے بعد امریکہ نے ایک نئے عالمی نظام کا اعلان کیا، اس نئے عالمی نظام میں اپنے کو مرکزی جگہ رکھا اور اپنے

ہم نسل دوستوں کو اپنے بعد رکھا، لیکن جہاں تک کمزور ممالک کا تعلق ہے تو اس نئے نظام میں ان کی حیثیت غریبوں، فقیروں اور محتاجوں کی رکھی، جو کاسۂ گدائی لئے ہوئے یورپ و امریکہ کے دروازے کھٹکھٹاتے نظر آئیں، اب امریکہ اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تمام ممالک کو اپنا تابع بنانے اور ان پر اپنے افکار و نظریات مسلط کرنے کی پوری کوشش کر رہا ہے کمزور ممالک کے ساتھ اس وقت امریکہ کا رویہ آمرانہ ہے اور جو ملک بھی امریکہ کے افکار و نظریات اور اس کے سیاسی و معاشی منصوبوں کے ساتھ مکمل ہم آہنگی کا اظہار نہیں کرتا اسے امریکہ کے قہر و غضب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ افغان مجاہدین فلسطین کے حریت پسند اور سویت یونین سے آزاد ہونے والی مسلم جمہوریاؤں کے ساتھ اس کے طرز عمل سے اس کی شہادت ملتی ہے۔ امریکہ اس بات پر بالکل راضی نہیں کہ یہ ممالک اس کے سیاسی نقطۂ نظر کی مخالفت کریں اور خالص اسلامی رنگ میں ڈھل جائیں۔ اگر کسی بھی اسلامی ملک میں دینی بیداری کی لہر پیدا ہوتی ہے تو اسے امریکہ کی خشمگیں نگاہوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور امریکہ اس سے اپنی نگاہیں پھیر لیتا ہے۔ یورپی ممالک بھی اس سلسلے میں امریکہ کے دست و بازو بن جاتے ہیں۔ پھر اس بیداری کے خلاف ہنگامہ برپا کیا جاتا ہے ذرائع ابلاغ ڈھول پیٹنے لگتے ہیں، اور اسلام پسندوں کو رجعت پسند، قدامت پرست اور بنیاد پرست جیسے القاب سے نوازا جاتا ہے۔

اسلام کے تئیں مغرب کے معاندانہ نفسیات دراصل ایک تاریخی کشمکش کا نتیجہ ہے۔ جس میں مسیحی عصبیت کار فرما ہے۔ اور وہ صلیبی جنگوں کا سلسلہ ہے جو مسلمانوں اور عیسائی طاقتوں کے درمیان ایک طویل عرصہ تک جاری رہا، جس میں ظالمانہ مسیحی اقتدار کو ہر ہر موقع پر شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا صلیبی جنگیں ختم ہو چکی ہیں۔ مگر مغربی اہل علم اور سیاست داں اب تک اپنے زخم چاٹ رہے ہیں۔ اور اپنی ذلت آمیز شکست کو کسی طرح بھلا نہیں پا رہے ہیں، اس لیے مسلمانوں کے خلاف ان کے اندر بغض و عداوت کا لاوا ابل رہا ہے۔

یورپ نے اپنی سامراجیت کے زمانہ میں طویل عرصہ تک اسلامی ممالک سے اپنی شکست کا انتقام لیا، مگر ان کے انتقام کی پیاس اب تک نہیں بجھ سکی، اب وہ باقی ماندہ اسلامی تشخصات، امتیازات کو مٹانے کے درپے ہیں۔ لیکن مغرب اپنے ان ناپاک عزائم میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا، کیونکہ اسلامی بیداری کی لہر ایک ایسے درخت کی شکل اختیار کر چکی ہے جس کی جڑیں زمین کے اندر اور شاخیں آسمان میں لہلہا رہی ہیں۔ اور مسلمانوں کی ایک ایسی تعداد اس کی حامی، و معاون ہے جسے آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا یہاں تک کہ اگر اسلامی ممالک کے سیاسی رہنماؤں نے بھی اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی تو اسلامی بیداری کا سیل رواں انھیں بھی خس و خاشاک کی طرح بہالے جائے گا۔ لہذا اب مغرب کے قائدین، امریکہ اور اس کے مشرقی چیلوں کو خواب و خیال کی وادیوں سے نکل کر حقائق کا سامنا کرنا چاہئے۔ ورنہ وہ دن دور نہیں، جب انھیں بھی اسی المیہ سے دوچار ہونا پڑے، جو روس کے ساتھ پیش آیا۔ پھر کف افسوس ملنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہ جائے۔

ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ اسلامی ذرائع ابلاغ بھی سرگرم عمل ہونے لگے ہیں۔ وہ دنیا کے بدلتے ہوئے حالات و حقائق سے لوگوں کو آگاہ کر رہے ہیں اس سلسلے کے بہت سے مقالات و تحقیقات بھی شائع ہو رہی ہیں۔ جس میں ایک صاحب عقل و خرد کے لیے بہت معلومات و رہنمائی ہوتی ہے۔ جس سے دشمن کو نئی ابھرتی ہوئی حقیقتوں کو محسوس کرنا چاہیئے، حالات سے بے خبری بے خبر دشمن کو تباہ کریگی، اس کی مثال اس شتر مرغ کی سی ہو گی جو ریت کے تودے میں سر چھپا کر یہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔

لکھنؤ کے معروف عطریات
شمامۃ العنبر، زعفرانی حنا
مجموعہ وغیرہ
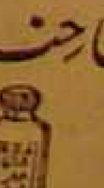
طلب فرمائیں
کارخانۂ محمد سلیمان محمد یوسف
یوسف بلڈنگ ۱۰۰ نادان محل روڈ لکھنؤ

مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ گیا
(گیا مسلم گرلس اورفینج)
واقع کلونا، ڈاک خانہ چرکی ضلع گیا بہار (الہند)

مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ گیا کے مالی تعاون کے لئے (مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ، پروفیسر عبد المغنی صاحب پٹنہ اور مولانا محمد فاروق خاں صاحب مترجم ہندی قرآن شریف و حدیث اور مصنف ہندی اسلامی کتب) کی

اپیل

"جو شخص اپنے کھانے پینے میں سے یتیم کو حصہ دے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت کو واجب کر دیتا ہے (حدیث) یہ ادارہ ہندوستان کی ریاست بہار، بنگال و اڑیسہ میں اپنے طرز کا پہلا اور واحد ادارہ ہے۔ جو جدید و قدیم تعلیم کا خالص مرکز اور قابل اعتماد اقامتی (RESIDENTIAL) تربیت گاہ ہے۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۶ء کو علمائے دین اور دانش وران ملت (مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ اور پروفیسر عبد المغنی صاحب پٹنہ) کے ہی ہاتھوں تین یتیم لڑکیوں سے ایک کرایہ کے کھپریل کے مکان میں زیر عمل آیا تھا۔ اس وقت ادارہ میں مختلف جگہوں کی اکاون (۵۱) یتیم طالبات ہیں۔ جن کا سارا خرچ ادارہ برداشت کرتا ہے۔ بیرونی مقیم و غیر مقیم طالبات علاوہ ہیں۔ تعلیم درجہ اطفال تا درجہ دہم (میٹرک X) تک اسلامیات کے ساتھ ہے۔ سالانہ خرچ دو لاکھ روپے سے زائد ہے۔ آپ حضرات سے ادارہ مالی تعاون کا خواستگار ہے۔ علمائے دین اور دانش وران ملت کی اپیلیں ذیل میں ہیں۔

۱۔ مولانا نظام الدین صاحب ناظم امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ

"یتیم خانہ کا قیام اور یتیم بچوں اور بچیوں کی کفالت مسلمانوں کی خاص روایت رہی ہے اور دینی اعتبار سے عظیم کار ثواب ہے۔ یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہاں مسلم یتیم بچیوں کے لئے یتیم خانہ کا افتتاح کیا جا رہا ہے۔ بلاشبہ یہ اہم دینی کام اور ملی ضرورت ہے۔ دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کوشش کو کامیاب فرمائے۔"

۲۔ پروفیسر عبد المغنی صاحب بی۔ این۔ کالج، پٹنہ

"یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ادارہ بہت تیزی سے ترقی کر رہا ہے اور کام نہایت سلیقے سے ہو رہا ہے۔ امید اور دعا ہے کہ ادارے کے ترقیاتی منصوبے روبہ عمل آئیں گے اور ہمہ جہتی کے فروغ کا باعث ہوں گے۔ عوام و خواص کا فرض ہے کہ وہ ادارے کے ساتھ ہر ممکن تعاون پوری مستعدی اور سرگرمی سے کریں۔"

۳۔ مولانا محمد فاروق خاں صاحب مترجم ہندی قرآن شریف و حدیث

"آج مجھے مسلم لڑکیوں کا یتیم خانہ گیا کے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ اسے دیکھ کر جو قلبی و روحانی مسرت ہوئی الفاظ میں اس کا اظہار ممکن نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ قوم کی بچیاں قوم کا ایک ایسا قیمتی سرمایہ ہیں جس سے صرف نظر کرنا ناقابل معافی جرم ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس کا بخوبی احساس اس یتیم خانہ کے اعلیٰ ذمہ دار کے دل میں موجود ہے۔

اس یتیم خانہ میں بچیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مناسب نظم ذمہ داروں کے پیش نظر ہے۔ ادب اور دین کی تعلیم کے ساتھ ساتھ شعبہ دار الصنائع بھی قائم ہے جہاں بچیوں کو ان کے حسب حال صنعت و حرفت کی تعلیم بھی دی جا سکے گی۔ مطالعہ کے لئے لائبریری موجود ہے۔

ابھی تو یہ یتیم خانہ اپنے ابتدائی مرحلہ میں ہے۔ پھر بھی اس کے معقول اور مثالی نظم و ضبط کو دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور انتہائی خوشی بھی۔ اس یتیم خانہ کے ذمہ داروں کے لئے دل سے دعائیں نکلیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات سے مجھے امید ہے کہ یہ ادارہ ترقی کرے گا اور یہاں سے جو بچیاں نکلیں گی وہ زیور علم و ادب سے آراستہ اور بلند حوصلہ ہوں گی۔ جن پر قوم کو ناز اور فخر ہو سکے گا۔

توقع ہے کہ قوم اس ادارہ کو نظر انداز نہیں کرے گی۔ قوم کا بھرپور تعاون اسے حاصل ہوگا۔ اہل علم حضرات اپنے نیک مشوروں سے بھی نوازیں گے۔"

نوٹ فرمالیں: چک و ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں اور منی آرڈر پر مکمل پتہ۔

THE GAYA MUSLIM GIRLS' ORPHANAGE"

انگریزی میں ادارہ کا مکمل پتہ

THE GAYA MUSLIM GIRLS ORPHANANGE
AT KOLOWNA, P.O. CHIRKI, DIST. GAYA (BIHAR)

یاد رکھیں! یہ ادارہ شہر گیا سے (گیارہ میل) کے فاصلے پر اور یتیم خانہ اسلامیہ گیا واقع چرکی سے (ایک میل) کی دوری پر واقع ہے جہاں رکشہ، رتھم ٹم سے یا دوسرے مختصر راستہ سے پیدل بھی پہنچا جا سکتا ہے

ڈاکٹر محمد توفیق احمد خاں
اعزازی ناظم

اشتہار

مصری اسلامی مفکر ڈاکٹر فتحی عثمان سے مولوی محمد اکرم ندوی کی ایک گفتگو

(تلخیص و ترجمہ آفتاب عالم ندوی دھنبادی)

میں شریعت اسلامیہ کے لئے فلسفہ کا لفظ استعمال کرنے کا روادار نہیں ہوں۔

- کیونکہ اس کا اطلاق عقل انسانی کے ثمرات و نتائج پر ہوتا ہے، جبکہ شریعت اسلامیہ خالق کائنات کی نازل کردہ ہے۔

احناف کے استحسان اور مالکیہ کی مصلحت مرسلہ سے فقہ اسلامی کی سدابہاری

- اور بدلتے حالات کا مقابلہ کرنے اور ہر زمانے میں اور ہر جگہ نوع انسانی کی ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دینے کی اس کی بھرپور صلاحیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

مگر یہ کہ اخیر زمانہ میں بھی ہمیں بعض ایسی مجتہدانہ کوششیں ملتی ہیں جن سے یہ زمانہ

- دور جمود و تعطل سے گزرتا ہوا زمانہ اجتہاد و ابتکار سے جاملتا ہے، اس ضمن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، علامہ سید سلیمان ندوی مولانا ابو الکلام آزاد اور دور حاضر کے مشہور مفکر و مصنف مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کی تصنیفات و تحقیقات کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا ابو الحسن علی حسنی ندوی کی مایۂ ناز تصنیف "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" کا مطالعہ ہمارے طبقہ کے ہر اس نوجوان نے بڑے

- ذوق و شوق سے کیا جو اسلام سے واقعتاً وابستہ تھا، جو اسلام کو ایک کامل، جامع اور ابدی دین تسلیم کرتا تھا، اور میں نے تو اسے اتنی مرتبہ پڑھا کہ تقریباً مجھے پوری کتاب زبانی یاد ہو گئی۔

یہ ایک بے تکلف گفتگو کا خلاصہ ہے جو مولوی محمد اکرم صاحب ندوی نے مشہور مصری مفکر ادیب اور صحافی ڈاکٹر فتحی عثمان سے مراکش کے دار السلطنت رباط کے مشہور ہوٹل "الحیاۃ" میں ۱۳ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ کو چہار شنبہ کے دن کی، ملاقات کی تقریب اس طرح پیش آئی کہ ہر سال رمضان المبارک میں مراکش کی حکومت شاہ حسن ثانی کی سرپرستی میں "حسنی لکچرس" کا انعقاد کرتی ہے جس میں پوری دنیا سے بڑی تعداد میں اہل دانش، علماء اور ارباب فکر و نظر شریک ہوتے ہیں۔

مولوی محمد اکرم صاحب ندوی آکسفورڈ یونیورسٹی کے اسلامک سینٹر کے نمائندہ کی حیثیت سے اسمیں شریک ہوئے، اس موقع پر موصوف نے بہت سے مشاہیر سے انٹرویو لیا، ذیل میں افادۂ عام کی غرض سے اُس انٹرویو کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے جو انھوں نے ڈاکٹر فتحی عثمان صاحب سے لیا۔

س: ڈاکٹر صاحب! سب سے پہلے آپ اپنی تعلیم و تربیت کے بارے میں بتایئے۔

ج: مصر میرا وطن ہے، وہیں پروان چڑھا، وہیں تعلیم حاصل کی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کے تقریباً تمام مراحل میرے وہیں طے ہوئے۔ قاہرہ یونیورسٹی سے لٹریچر میں اور اسکندریہ یونیورسٹی سے لا میں ڈپلوما کیا، جبکہ قاہرہ یونیورسٹی ہی سے لٹریچر میں ایم اے کیا، اس کے بعد پرنسٹن یونیورسٹی امریکہ سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند حاصل کی۔

س: زمانۂ طالب علمی میں آپ کن کتابوں سے زیادہ متاثر ہوئے؟

ج: ایسی کتابوں کی تعداد بہت ہے، میں اصول فقہ سے بہت متاثر ہوا، اس فن سے میری دلچسپی اس وقت شروع ہوئی جب مشہور اصولی عالم شیخ عبد الوہاب خلاف سے میری ملاقات ہوئی، اور ان سے میں نے پڑھنا شروع کیا، اس فن سے میری دلچسپی بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس فن کی تمام اونچی اونچی کتابوں کو پڑھ ڈالا۔ آمدی کی الاحکام شاطبی کی موافقات، امام غزالی کی المستصفیٰ اور امام شافعی کے الرسالہ وغیرہ کا بغور اور بالاستیعاب مطالعہ کیا، فقہ کی جن کتابوں کی گہرائی، گیرائی، جامعیت اور حسن ترتیب سے میں متاثر ہوا ان میں فقہ حنفی میں کتاب المبسوط، فقہ مالکی میں المدونہ اور فقہ حنبلی میں المغنی سرفہرست ہیں۔

اسی طرح ابن حزم، ابن تیمیہ اور ابن القیم کی کتابیں خاص طور پر مجھے بے حد پسند آئیں جس طرح کہ تاریخ فکر انسانی کی کتابیں علوم انھیں اچھی لگتی ہیں، اس موضوع پر جو کتابیں میری نظر سے گذریں انہیں ولز کی کتاب "تاریخ انسانیت کے نقوش" اور ڈیورینٹ کی کتاب "تہذیب کی کہانی" مجھے بہت ممتاز نظر آئیں، پھر میں نے فکری و سماجی تاریخ کا انگریزی اور فرنچ میں مزید گہرائی و دقت نظر سے مطالعہ کیا، میں نے محسوس کیا اسلامی تاریخ میں سماجی تبدیلیوں کی طرف بہت کم توجہ کی گئی ہے، ہمارے یہاں عام طور پر سیاسی تاریخ ہی حاوی رہی ہے ضرورت ہے کہ ہماری فکری تاریخ سماج سے مربوط و ہم آہنگ ہو۔

س: کیا آپ سوشل سائنس کے مسلمان علماء اور مغربی علماء کے درمیان موازنہ کرنا پسند کریں گے؟

ج: سچی بات یہ ہے کہ ابھی تک ہم اس لائق نہیں ہوئے ہیں کہ کہہ سکیں کہ سوشل سائنس (علم الاجتماع) میں بھی کوئی اسلامی اسکول موجود ہے۔

یہ کتنی افسوسناک بات ہے کہ جس علم کے باوا آدم ہمارے اسلاف و بزرگ ہوں اس علم میں ہم دوسروں سے پیچھے ہوں۔ میں پرامید ہوں کہ ہماری یونیورسٹیوں اور ہمارے نوجوانوں کی جدوجہد اور لگن و محنت سے جلد ہی علم الاجتماع کا بھی اسلامی اسکول وجود میں آجائے گا۔

س: متقدمین علماء میں آپ کن لوگوں سے متاثر ہوئے؟

ج: جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ فقہ میں محمد بن حسن اور ابن قیم سے اور تاریخ و اجتماع میں ابن خلدون سے میں بے حد متاثر ہوا۔ افسوس یہ ہے کہ ابن خلدون کا کوئی ثانی نہیں ہوا اگرچہ مقریزی وغیرہ کے یہاں بھی اس سلسلہ میں بعض کوششیں ملتی ہیں لیکن وہ بہت محدود ہیں۔

ہاں اخیر زمانہ میں پھر ہم ایسی مجتہدانہ کوششیں پاتے ہیں جو اس دور کو دور اجتہاد و ابتکار سے ملا دیتی ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علامہ سید سلیمان ندوی مولانا ابو الکلام آزاد اور مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کی تصنیفات و تحقیقات کا اس ضمن میں ذکر کیا جا سکتا ہے

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کو پہلی مرتبہ میں نے قاہرہ میں دیکھا جس وقت کہ میں "لا" کا ایک طالب علم تھا، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ تقریر و تحریر میں شیخ ندوی کا ادبی اسلوب لوگوں کو کس قدر متاثر کرتا تھا، اسلامی علوم میں کمال و مہارت اور وسعت و گیرائی کے ساتھ شیخ ندوی حالات حاضرہ اور مغربی افکار و نظریات پر بھی ناقدانہ نظر رکھتے ہیں۔

اسی طرح مجھے یہ بھی یاد ہے کہ علامہ سید سلیمان ندوی کی شہرۂ آفاق کتاب "خطبات مدراس" کا عربی میں جب ترجمہ چھپا تو شوق سے میں نے متعدد بار اس کا مطالعہ کیا، مولانا ابو الحسن علی ندوی کی تصنیفات دور حاضر میں فکر اسلامی کے ارتقاء میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کی کتابوں نے دین پر مسلمانوں کے اعتماد کو علمی و فکری بنیادوں پر بحال کرنے اور عالم انسانیت کے تئیں ذمہ داریوں کو نبھانے کیلئے انھیں تیار کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے، میں ان کی تحریروں کا بہت شوق سے مطالعہ کرتا ہوں، اللہ ان کی عمر دراز کرے اور ان کی ذات بابرکات سے تادیر اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا رہے۔

س: کن کتابوں اور کن علماء سے آپ متاثر ہوئے معلوم ہو گیا، اب آپ ہمیں یہ بتایئے کہ متقدمین علماء میں کن لوگوں سے آپ متاثر ہوئے؟

ج: جن ادباء سے میں متاثر ہوا ان کی تعداد بہت ہے۔ متقدمین میں بھی اور متاخرین میں بھی، لیکن قرآن کریم اور اسی طرح حدیث شریف کی بلاغت ایک آبشار معلوم ہوتی ہے، رافعی کی کتاب (اعجاز القرآن) اور (البلاغۃ النبویۃ) اس راہ میں میرے لئے منارۂ نور ثابت ہوئیں۔ نئے لکھنے والوں میں رافعی، عقاد، احمد امین وغیرہم نے نئی نسل پر گہرا اثر ڈالا ہے اگرچہ خود ان میں اسلام سے وابستگی میں باہم کافی تفاوت تھا، اسی طرح شیخ حسن البنا، سید قطب، مولانا مودودی اور مولانا ابو الحسن علی ندوی کی ایمان افروز اور سحر انگیز تحریروں نے فکر اسلامی کے خد و خال کو واضح کرنے میں میرے عہد شباب میں بڑا اہم رول ادا کیا ہے اس موقع پر سید قطب کی (التصویر الفنی فی القرآن) کا جس سے میں بہت متاثر ہوا خاص طور پر ذکر کروں گا۔ یہ اپنے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے۔

س: ڈاکٹر صاحب! ایک زمانہ سے آپ یورپ میں مقیم ہیں، یہ بتایئے کہ قیام کے دوران آپ کو کیا تجربات حاصل ہوئے؟

ج: اہم تجربے مغربی افکار و نظریات، ان کے منہج و اسلوب اور اسلام کے بارے میں مغربی طرز فکر سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح ان ملکوں میں طویل قیام سے یورپ میں بسنے والے مسلمانوں کے حالات، ان کی پریشانیوں اور ان کے مسائل و مشکلات

سے واقف ہونے کا موقع ملا، اور اس سے اہم یہ کہ مغربی ذرائع ابلاغ دین اسلام، اسلامی ملکوں اور تحریکوں کے بارے میں کیا پھیلاتے ہیں اسے براہ راست دیکھنے اور اکاڈمیوں، دینی وثقافتی اداروں خاص طور پر اسلام اور مسلمانوں سے دلچسپی کا اظہار کرنے والے اداروں اور شخصیتوں سے مل کر تبادلۂ خیال کرنے کا خوب خوب موقع ملا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ندوۃ العلماء

س: مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کے اسلوب اور فکر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج: شیخ ندوی کی فکر نہایت بلند، ترقی یافتہ اور زمانہ سے پوری طرح ہم آہنگ ہے، ان کی فکر کی دو خصوصیتیں بہت اہم ہیں۔

(۱) وسیع النظری، اعلیٰ ظرفی اور فروع میں ایسی نرمی اور لچک جو ہر زمانے اور ہر جگہ بالخصوص موجودہ دور کی تمام ضروریات وتقاضوں کو پورا کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔

(۲) آفاقیت اور ہر اس انسانی معاشرہ سے تعاون کرنا جو تعمیری وایجابی ہو، اگر یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ یورپ میں خاص طور پر اور مسلم ممالک میں عام طور پر جدید تعلیم یافتہ اور دانشور طبقہ اسلام کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ ایک مخصوص زمانہ کیلئے تھا، اس زمانہ میں اب اس کا کیا کام، اس باطل فکر کا واحد مقصد مسلمانوں کو دنیا کی قیادت وسیادت اور انسانی گلہ کی رہنمائی وپاسبانی سے الگ رکھنا ہے۔

یہ بات بھی اگر پیش نظر رہے تو شیخ ندوی کے افکار وآرا اور ان کی تقریر وتحریر کی اہمیت دو چند ہو جاتی ہے۔

اور جہاں تک شیخ ندوی کے اسلوب نگارش کا تعلق ہے تو ان کا شمار چوٹی کے اسلامی ادباء میں ہوتا ہے ان کی نگارشات عربی لٹریچر کا سرمایۂ افتخار ہیں، انہی کا حق تھا کہ ادب اسلامی کے موضوع پر عالمی سیمنار کا انعقاد کریں، آج سے بارہ سال پہلے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ادب اسلامی کے عالمی سیمنار کے موقع پر جس میں پوری دنیا کے اسلامی ادباء جمع تھے شیخ ندوی کو عالمی رابطۂ ادب اسلامی کا بالاتفاق صدر منتخب کیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ اس منصب کا ان سے زیادہ کوئی مستحق نہیں ہے۔

ان کی کتابوں کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ دوسری زبانوں میں ترجمہ کے بعد بھی وہ اسی طرح واضح اور مطلب کو پوری طرح ادا کرنے والی باقی رہتی ہیں جس طرح ترجمہ سے پہلے ہوتی ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی تحریروں میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انبار اکٹھا کرکے مضمون کو گرانبار نہیں کرتے ہیں، صرف ضروری اور متعلق ہی آیات واحادیث ذکر کرتے ہیں، توجہ فکر کو پوری قوت اور پوری وضاحت سے پیش کرنے پر مرکوز رہتی ہے، میں نے بہت سے مشہور ومعروف مصنفین واہل قلم دیکھے ہیں کہ ان کی کتابیں جب دوسری زبانوں میں منتقل کی جاتی ہیں تو ان کی ساری خصوصیات، زبان وبیان کی رعنائی ودلکشی اور اسلوب کی جدت وندرت سب ناپید ہو جاتی ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات یہ بھی نہیں سمجھ میں آتا ہے کہ مصنف کہنا کیا چاہتا ہے۔ اس اعتبار سے شیخ ندوی بہت ممتاز ہیں کہ ان کی تحریریں چاہے جس زبان میں منتقل کردی جائیں ان کے حسن وجمال، اثر آفرینی اور حلاوت وشیرینی میں کوئی کمی نہیں آتی ہے۔

س: شیخ ندوی کے بعد ندوۃ العلماء کے بارے میں بھی ہم آپ کے تاثرات جاننا چاہیں گے۔

ج: ندوۃ العلماء جیسے عظیم ادارہ کو مجھ جیسے معمولی آدمی کی داد وتحسین کی چنداں ضرورت نہیں، اس کی اہمیت اور مقام ومرتبہ کا اندازہ ان عظیم اور باکمال شخصیتوں سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے جو اس دبستان فکر وفن سے وابستہ رہے، اس سے خوشہ چینی کی اور علم وادب کے مختلف میدانوں میں بیش بہا خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں، علامہ شبلی نعمانی، مولانا ابوالکلام آزاد اور علامہ سید سلیمان ندوی سب اسی کے مایۂ ناز سپوت اور قابل فخر بانی وسرپرست ہیں۔

گلستان علم وادب کے عظیم بانیوں اور قابل فخر فرزندوں نے جو گل بوٹے لگائے ہیں اس کی بہار دیکھنی ہو تو عربی، اردو، انگلش اور دوسری متعدد زبانوں میں سیکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں چھپی ان تصنیفات وتالیفات پر نظر ڈالنی چاہئے جو ندوی فضلاء کے قلم گہربار سے نکلیں، تعلیمی میدان میں جو اس نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور دے رہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اسی طرح زمانہ کے مزاج اور تقاضوں کے مطابق ایک نئے نصاب تعلیم کی ترتیب میں اس کی خدمات لائق ذکر ہیں۔

مثال کے طور پر ہم اس کے شعبۂ خصوصی کا ذکر کرتے ہیں جو ان لوگوں کے لئے کھولا گیا ہے جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم سے بھی بہرہ ور ہونا چاہتے ہیں، ایسے لوگوں کو بالکل ابتدائی درجوں میں داخل کرکے ان بچوں کے ساتھ نہیں پڑھایا جاسکتا.... جنھوں نے اپنی تعلیم کا آغاز ہی دینی تعلیم سے کیا ہے، اسی طرح کے طالبان علوم نبوت کے لئے خصوصی کا شعبہ ہے جس میں ڈاکٹرس، انجینیرس، گریجوٹس اور دوسرے جدید تعلیم یافتہ حضرات داخل ہوتے ہیں اور نسبتاً کم مدت میں عالم بن کر فارغ ہو جاتے ہیں۔

س: یورپ میں اسلام کے مستقبل کے سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: میں سمجھتا ہوں یورپ میں اسلام کا مستقبل بہت بہتر ہے، کیونکہ دن بدن دیار مغرب کے مسلمانوں میں خود اعتمادی وخود شناسی بڑھ رہی ہے، مغرب کے تجربات ووسائل سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، طرز فکر، ذرائع ابلاغ اور تنظیم کے اسالیب کا قریب سے مشاہدہ کر رہے ہیں، جیسا کہ مغرب کے سیاسی، سماجی، ثقافتی، دینی، اور تحقیقی اداروں سے ربط بڑھ رہا ہے، مجھے یقین ہے کہ اگر آنیوالی نسلوں کی تعلیم وتربیت صحیح نہج پر ہوئی تو وہ زیادہ باہمت جری، ثابت قدم اور اسلام کے لئے زیادہ مفید وکارگر ثابت ہوں گی۔ اسلام کو پیش کرنے کے لئے ان کے پاس زیادہ مؤثر ذرائع اور باہم ربط وتعاون کے زیادہ روشن امکانات ہوں گے، بعض ملکوں میں آنے والی نسلوں کے بعض بہترین نمونے آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔ اور دن بدن ان کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ فکر اسلامی اور دعوت اسلامی کو ان مواقع کی وجہ سے جو انھیں مغرب میں اس وقت فراہم ہیں اور اس صورت حال کی وجہ سے جس کا انھیں سامنا ہے بعض نئے اور تعمیری تجربات حاصل ہو رہے ہیں۔

س: ڈاکٹر صاحب! آخر میں یہ بتایئے کہ آپ کے نزدیک مغرب میں دعوت وتبلیغ کے لئے کون سی چیزیں زیادہ اہم اور ضروری ہیں؟

ج: سب سے بنیادی اور اہم چیز یہ ہے کہ اسلام کو اس انداز اور اس اسلوب میں پیش کیا جائے جس سے مغرب مانوس ہو اور جس کو وہ آسانی سے سمجھ لیتا ہو، خاص طور پر وہ مسائل جن کے متعلق مغرب میں بدگمانیاں اور شبہات پائے جاتے ہوں جیسے جہاد، اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام؟ موجودہ اقتصادی سرگرمیوں سے مسلمانوں کا ربط وتعلق وغیرہ وغیرہ، داعی کو ایسے مسائل کے بارے میں پوری معلومات ہونی چاہئے۔

دوسری چیز جو دعوت اسلامی کے لئے ضروری ہے وہ یہ کہ مسلمان اسلامی تشخص پر پوری طرح قائم رہتے ہوئے اس ملک کے جس میں وہ رہ رہے ہیں محب ووفادار ہوں، امریکہ میں رہنے والے مسلمان بیک وقت امریکی بھی ہوں اور مسلمان بھی، برطانیہ میں رہنے والے مسلمان بیک وقت برطانوی بھی ہوں اور مسلمان بھی جس طرح ہندوستان میں رہنے والے مسلمان بیک وقت ہندوستانی بھی ہیں اور مسلمان بھی یہ چیز نہایت ضروری ہے ورنہ مسلمان معاشرہ سے کٹ کر رہ جائیگا ہندوستان، انڈونیشیا اور چین کے مسلمانوں کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ جس طرح وہ مسلمان ہیں اسی طرح وہ سچے اور پکے وطن دوست بھی ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عادلانہ فیصلے کے لئے جرح وبحث وجستجو کی ایک مثال

پروفیسر محمد اجتبا ندوی
صدر شعبہ عربی فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی۔

امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کی مجلس وعدالت میں پابندی سے حاضر ہونے والے ایک بزرگ اصبغ بن نباتہ اشجعی تھے، جن کا تعلق عرب کے مشہور قبیلہ اشجع سے تھا اور اپنی کنیت ابوالقاسم سے مشہور تھے انھوں نے امیر المومنین عمر بن الخطاب اور امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما کے عدالتی فیصلوں کو بڑی صحت، باریک بینی اور تفصیل سے روایت کی ہے۔ آج ہم انھیں کے روایت کردہ ایک عدالتی فیصلہ پیش کر رہے ہیں، جو جرائم کے مقدموں کی تحقیق اور حقیقت کے کھوج لگانے کی ایک سبق آموز مثال ہے۔

ابو عامر خزرجی ایک کامیاب اور جہاندیدہ تاجر تھے، وہ تجارتی قافلوں کے ہمراہ مختلف ملکوں میں تجارت کا مال لے کر جاتے، فروخت کرتے اور نفع اٹھاتے، ان کا گھرانہ خوشحال اور آسودہ تھا، بڑی خوشی، مسرت، سعادت اور خوش بختی کے ساتھ زندگی بسر ہو رہی تھی، ان کے بچوں میں سے کچھ تو تعلیم وتعلم میں مشغول تھے اور بڑا لڑکا عامر ان کی مقامی تجارت میں ہاتھ بٹا رہا تھا، ابو عامر خزرجی نے ایک دن اپنے گھر والوں سے کہا کہ ایک تجارتی قافلہ ملک شام جا رہا ہے اس میں میرے کچھ دوست احباب بھی ہیں، ارادہ ہے کہ اس بار شام سے کافی سامان تجارت لے کر آؤں کیونکہ اس دیار میں اس کی شدید ضرورت ہے، انھوں نے اپنے گھر والوں کو اس کا بھی یقین دلایا کہ وہ اسی قافلہ کے ساتھ جلد ہی واپس آجائیں گے اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ ہی واپس ہوں گے، قافلہ روانہ ہو گیا مدت مقررہ پر ابو عامر کے گھر والے انتہائی بے چینی سے ان کی واپسی کا انتظار کرنے لگے، اور شام کے قیمتی اور خوبصورت تحفوں کا خواب دیکھنے لگے، نوجوان عامر اپنے والد کے دوستوں کے گھروں کا چکر لگانے لگا تاکہ ان کی آمد کی خبر معلوم کر سکے، ایک دن اچانک پتہ چلا کہ قافلہ کے افراد واپس آگئے ہیں مگر اس کے والد نہیں آئے، اس نے قافلہ کے ایک ایک آدمی سے ملاقات کرکے دریافت کیا کہ اس کے والد کیوں واپس نہیں آئے، سب نے ایک ہی جواب دیا کہ راستہ میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا اور انھوں نے کچھ مال واسباب نہیں چھوڑا، اس کے علاوہ ان لوگوں نے موت کا سبب مال ومتاع کے فقدان اور ان کے دفن وغیرہ کے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی لڑکے کو شبہہ ہوا اس نے قاضی شریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا اور کہا کہ اس کے والد قافلہ کے فلاں فلاں لوگوں کے ساتھ روانہ ہوئے تھے اسے شک ہے کہ اس کے مال واسباب حاصل کرنے کے لئے ان لوگوں نے اس کے والد ابو عامر خزرجی کو قتل کر دیا ہے، قاضی شریح نے عدالتی روایت کے مطابق اس دعوی کے بموجب قافلہ والوں کو طلب کیا، اور لڑکے کے دعوی کی تفصیل بیان کی قافلہ والوں نے قتل کا انکار کیا، لڑکے کے پاس گواہ وثبوت نہ ہونے کی بنا پر قاضی شریح نے فریق ثانی سے قسم لی انھوں نے جھوٹی قسم کھائی اور بری کر دیئے گئے۔ صاحبزادہ عامر نے فیصلہ سنا مگر خدا کی ذات سے مایوس نہ ہوا، گھر آیا، والدہ اور بھائی بہنوں کو اطمینان دلایا کہ اگرچہ قاضی شریح کی عدالت سے فیصلہ ظالموں کے حق میں ہو گیا ہے، لیکن اسے امید ہے کہ وہ امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کی بصیرت ودانائی اور الہامی فیصلہ سے حق حاصل کر لے گا، وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ کی پوری تفصیلات سنائیں اس کے بعد قاضی شریح کے فیصلہ سے باخبر کیا اور کہا کہ اسے یقین ہے کہ ان لوگوں نے اس کے والد کو قتل کیا ہے آپ سے حق وانصاف کا طلبگار ہوں اور رو پڑا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عامر کو تسلی دی اور پولیس کے آدمیوں کو حکم دیا کہ ان کے ہر دو آدمی قافلہ کے ایک آدمی کو اپنی حراست میں لے لیں اور ہر ایک کو الگ الگ رکھیں اور ایک دوسرے سے کسی طرح کا کوئی رابطہ قائم نہ ہونے دیں، اشاروں، کنایوں سے بھی بات نہ ہوسکے، پولیس نے فوری طور پر اس حکم پر عمل کیا اور قافلہ والوں کو ایک دوسرے سے قطعی طور پر علاحدہ کر دیا، اس کے بعد امیر المومنین نے بیانات تحریر کرنے والے منشی کو بلایا اور ایک ایک مجرم کا علاحدہ علاحدہ بیان درج کرنے کا حکم دیا، پھر قافلہ کے پہلے آدمی کو تنہا طلب کیا اور اس سے مندرجہ ذیل سوالات کئے:

- تم لوگوں نے شام کا سفر کب کیا تھا؟
- سفر کے دوران میں کن کن مقامات پر قیام کیا تھا؟ • تمہارا سفر کیسا تھا؟ • اس نوجوان کے والد کا انتقال کس روز ہوا؟
- کیا وفات سے قبل بیمار ہوئے تھے؟
- کس بیماری میں وفات پائی؟ • کس نے اسے غسل دیا؟ • کس نے نماز جنازہ پڑھائی؟
- دفن میں کون کون شریک ہوا؟ • کس جگہ دفن کئے گئے؟ • کس بات کی وصیت کی؟ • اپنے وصیت نامہ پر کس کو گواہ بنایا؟
- ان کی زبان سے آخری الفاظ کیا ادا ہوئے؟
- ان کے پہنے ہوئے کپڑے کہاں ہیں؟

محرر نے جب اس شخص کے جوابات لکھ لئے تو امیر المومنین اور ان کے پاس بیٹھے ہوئے لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر پڑھی، مجرموں نے تکبیر سن کے خیال کیا کہ ان کے ساتھی نے جرم کا اقرار کر لیا، اس آدمی کو واپس بھیج دیا گیا اور پھر باری باری سب کو الگ الگ بلا کر یہی سوالات کئے گئے ہر ایک کا جواب دوسرے سے مختلف تھا، ان جوابات سے اندازہ ہو گیا کہ نوجوان عامر کے والد قتل کئے گئے ہیں اور قافلہ کے لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔ امیر المومنین نے پہلے آدمی کو دوبارہ بلوایا اور فرمایا، خدا کے دشمن، تمہارے ساتھیوں کے بیان سے تمہارا جھوٹ اور ہٹ دھرمی واضح ہو گئی ہے تمہیں صرف سچائی ہی بچا سکتی ہے، پھر اسے جیل لے جانے کا حکم دیا اور بلند آواز سے تکبیر پڑھی، مجرموں کو گمان ہوا کہ اس نے اعتراف کر لیا، اس کے بعد امیر المومنین نے دوسرے شخص کو بلایا اور اس سے سخت الفاظ میں گفتگو کی تو اس نے کہا:

"امیر المومنین"! خدا گواہ ہے کہ میں نے ان کے قتل کو ناپسند کیا، میں نے نہ قتل کیا اور نہ اس کا مال لیا، یہ کام دوسروں نے کیا ہے اور قاتل انھیں میں سے ایک ہے" پھر دوسروں کو طلب کیا اور ہر ایک نے جرم کا اقرار کیا اور کہا کہ قتل پہلے آدمی نے کیا ہے، پہلے آدمی کو بلایا گیا تو اس نے بھی جرم قتل کا اقرار کر لیا اور پھر سب نے جو کچھ کیا تھا صاف صاف بتا دیا۔

مجرموں کے اقرار جرم کے بعد امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے فیصلہ کیا کہ قافلہ کے تمام افراد اس جرم کی سزا میں قتل کر دیئے جائیں اور مقتول کے وارثوں کو مساوی طور پر چھینا ہوا مال واسباب واپس کریں، اس منصفانہ فیصلہ سے عامر اور اس کے گھر والوں کو تسلی ہوئی اور اپنے والد وسرپرست کے لئے خدا سے مغفرت طلب کی۔

امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے اپنی اس تحقیق وکھوج میں جس حکمت عملی کا ثبوت دیا ہے آج کا "مہذب معاشرہ" اس کی کوئی مثال شاید ہی پیش کر سکے!

دعائے مغفرت

مولانا الحاج انوار احمد صاحب قاسمی (خلف الرشید حضرت مولانا عثمان علیہ الرحمہ) مدرس مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ کا ۱۲ر مئی کو پونے نو بجے شب اچانک دل کا دورہ پڑنے سے وصال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مشتاق خاں ندوی استاذ مدرسہ عرفانیہ کے خالہ زاد بھائی احمد اللہ خاں ساکن فیروز آباد ضلع اناؤ کا ۳۰ر مئی ۱۹۹۲ء کو انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے اور اپنے اعزا واقارب سے اچھے تعلقات رکھتے تھے

جناب حافظ عبدالجبار صاحب کوپاوی سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ سنگھ ۵ر جون ۱۹۹۲ء کو انتقال فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ قارئین تعمیر حیات سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

تعمیر حیات بمبئی میں

تعمیر حیات خریداری کے سلسلہ میں عباس علاء الدین ٹی مرچنٹ۔
۴۴، حاجی بلڈنگ۔ ایس وی پٹیل روڈ، ٹی بازار، بمبئی ۳۰۰۰
سے رابطہ قائم کریں۔

توحید کی اہمیت اور دینی تعلیم کی ضرورت

(دوسری و آخری قسط)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

میں لطیفہ سناتا ہوں جس زمانہ میں راجیو جی مسلم پرسنل لا کے ایک اہم مسئلہ کے سلسلے میں ملاقاتیں ہو رہی تھیں ہم نے ایسے ہی باتوں باتوں میں کہا راجیو جی اگر آپ کو بات کرنا ہے اور ہمیں بلانا ہے تو جلدی بلا لیجئے گا رمضان آنے والا ہے وہ گرمی کا زمانہ تھا ہمیں روزے رکھ کر آنا مشکل ہوگا، تو وہ بیچارے نہ اسلام کا مطالعہ انھوں نے کیا اور نہ کسی کی صحبت پائی۔ کہنے لگے علی میاں صاحب جی! آپ روزے جاڑوں میں کیوں نہیں رکھتے جاڑے میں رکھا کیجئے، میں نے کہا راجیو جی اب یہ بات نہ کہئے گا ورنہ پرسنل لا، سے بڑھ کر آپ سے مخالفت شروع ہوجائے گی وہ تو پرسنل لا کا ایک مسئلہ تھا شاہ بانو کیس تھا کہ ایک عورت کے لئے طلاق کے بعد شوہر کے ذمہ کیا ہوگا یہ مسئلہ تھا اور یہ جو آپ کہہ رہے ہیں سارے ہندوستان میں ایک طوفان برپا ہوجائے گا، وہ مسکرائے۔

میں آپ سے بتاتا ہوں کہ آپ کے عقائد وہی ہوں جو اللہ کے رسول نے بتلائے جس کے مطابق صحابہ کرام نے زندگی گذاری اور ہمارے بزرگوں نے اولیاء اللہ نے داعیوں نے اور ہمارے عالموں نے بتایا کہ خدا ایک ہے وہ اپنی ذات میں بھی ہے اور اپنے ارادہ میں بھی واحد ہے اپنی سلطنت میں بھی واحد ہے اور حکمرانی بھی واحد ہے اور اپنے فیصلہ اور اختیار میں بھی واحد ہے نہ اس کا کوئی مددگار ہے اور نہ کوئی شریک ہے چاہے کوئی بزرگ ہو۔

صاف صاف میں کہتا ہوں کہ ہم بھی بزرگوں سے تعلق رکھتے ہیں الحمد للہ اور کئی طرح کے ہمارے تعلقات ہیں اور ہم نے ان کے حالات پر کتابیں لکھی ہیں میں صاف صاف کہتا ہوں کہ کسی کے اختیار میں کوئی چیز نہیں ہے پانی پلا دینا بھی ان کے اختیار میں نہیں ہے راستہ بتا دینا بھی ان کے اختیار میں نہیں ہے کوئی آئی ہوئی بلا خواہ معمولی ہو ٹال دینا ان کے اختیار میں نہیں ہے۔ قرآن بھرا ہوا ہے کہ کسی کے اختیار میں کچھ نہیں ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ معاشرہ، رہنے سہنے کا طریقہ یہ بھی اختیاری نہیں ہے یہ بھی من گھڑت نہیں ہے کہ پرکھوں سے چلا آرہا ہے یہ نہیں آج مسلمانوں کا مذہب یہ ہے کہ اچھے خاصے نمازی اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے بھی نہ جانے کتنے بزرگوں سے مرید ہوتے ہوں گے اور کتنی کتابیں پڑھتے ہوں گے لیکن شادی کا وقت آیا تو بس اللہ و رسول اپنی جگہ پر، اور کریں وہ جو ہوتا آیا ہے حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ نے نام سنا ہوگا جن کی ذات سے تبلیغ آج ساری دنیا میں چل رہی ہے جن کی کوشش کو اللہ نے قبول کیا میرے سامنے انھوں نے فرمایا کہ

"شادی میں نائی کو بلایا جاتا ہے اور بھنگی کو بلایا جاتا ہے شادی کا موقعہ ہے ایسے موقعہ پر کسی کو روکتے نہیں ہیں یہ بے برکتی کی بات بھی ہوتی ہے اور شرافت کے بھی خلاف ہے، نائی آکر بیٹھے تو آجائے بھنگی آکر بیٹھے مسلمان ہو یا نہ ہو وہ بھی آکر بیٹھ جائے دھوبی آیا ہو تو وہ بھی آئے لیکن اللہ و رسول کو باہر رکھا جاتا ہے آپ باہر تشریف رکھئے آپ کا یہاں کام نہیں" اللہ تعالیٰ تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، بلانے نہ بلانے کی بات نہیں۔

یاد رکھئے یہ شادی کی جو رسمیں ہیں شادی میں جو آنکھ بند کرکے خرچ کیا جاتا ہے اور اس پر قرض لیا جاتا ہے بلکہ سودی قرض لیا جاتا ہے، رہن رکھا جاتا ہے بعض اوقات اور ناجائز کام کئے جاتے ہیں تاکہ شادی کا خرچ پورا ہو سیکڑوں کو بلایا جاتا ہے اور گانا بجانا ہوتا ہے اور نہ معلوم کیا کچھ ہوتا ہے ابھی ہم بمبئی Bombay گئے ہوئے تھے وہاں اصلاح معاشرہ پر ہماری دو تین تقریریں ہوئی تھیں تو ہمارے ایک بہت معتبر دوست جو کہ بہت ہی باخدا متقی آدمی اسماعیل منصوری بھائی اللہ ان کی عمر میں برکت دے کہنے لگے مولانا! ابھی چند دن پہلے ایک صاحب نے اپنی لڑکی و لڑکے کی شادی کی تو بجائے کھجور اور چھوہارے کے نوٹ لٹائے پچاس پچاس کے نوٹ سو سو کے نوٹ ۵۴ ہزار روپیہ صرف وہاں اسی جگہ میں لٹا دیئے، اور پھر ہم سے ہمارے ایک معتبر دوست نے ایک صاحب کے بارے میں کہا کہ وہ نماز روزہ بھی کرتے ہیں انھوں نے ساٹھ لاکھ روپئے ایک لڑکی کی شادی میں خرچ کئے پورے مشہور ہوٹل اور چوٹی کے ہوٹل سب بک کرائے کہ ہماری بارات وہاں ٹھہرے کوئی وہاں ٹھہر نہیں سکتا یہ ہم نے کہاں سے سیکھا ہمارے لئے یہ اسراف جائز نہیں آپ یہاں جلسہ میں آئے آپ نے ہمارے یہاں کے بچوں (اللہ ان کی عمر میں برکت دے) ہمارے استادوں کی محنت کو دیکھا اور آپ نے ندوہ کا فیض دیکھا اور اب یہاں اس جنگل میں کیسی بہار آئی ہے اور اس کے بعد یہاں سے چلے گئے اور پھر چندہ بھی آپ نے دیدیا اللہ جس کو توفیق دے اور اس کے بعد آپ کا تعلق نہیں رہا۔

یہاں اس لئے نہیں بلایا جاتا ہے کہ آپ کو تماشہ دکھایا جائے، آپ کو اپنا کارنامہ تبلایا جائے پیغام لے کر جایئے فیصلہ کرکے جایئے، عزم و ارادہ کرکے جایئے ہم کو خدا اور رسول کے تابع ہونا ہے اس کا پیرو ہونا ہے اور نہ ہمارا منشا کچھ ہے اور نہ ہماری چاہت کچھ ہے نہ ہمارے رسم و رواج ہیں نہ مصلحت کچھ ہے اور نہ مفاد کچھ ہے نہ نیک نامی بدنامی کچھ ہے جو اللہ اور رسول نے طریقہ تبلایا وہ ہم کریں بقول مولانا یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے "شادی سادی ہو" نقطے جو ہیں ان کو نکال دیجئے انھیں نقطوں نے بڑا غضب کیا ہے یہ چمکتے دمکتے ہیں یہ روپیہ بن جاتے ہیں یہ پتہ نہیں کیا بن جاتے ہیں شادی سادی ہو! اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہو ہم یہ نہیں کہتے کہ جو مہمان آئے ہوں جو بارات آئی ہو اس کو کھانا نہ کھلائیں صحابہ کرام کے زمانہ میں یہ نہیں تھا کہ بڑی دھوم دھام سے بارات آئے اس زمانہ میں جن کی حیثیت اونچی ہوتی ہے وہ دوسروں کو دکھاتے ہیں کہ دیکھئے ہم اتنے بڑے آدمی ہیں، ہماری بارات میں دس موٹریں تھیں اتنے ٹرک تھے اور دو سو آدمی بارات میں آئے یہ سب ہمیں ہندوستان کی دین ہے خود عرب تک اس کو نہیں جانتے ہیں کہ بارات آنا کسے کہتے ہیں دین تو ہمیں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ سے ملا، ہمیں عرب سے ملا دین ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے ذریعہ سے ملا، یہ دین یہاں کے کھیتوں میں نہیں اگا جو آپ دیکھ رہے ہیں کہ گیہوں اگ رہا ہے فلاں چیز اگ رہی ہے تو یہاں بھی دین اگ آیا، یہ کوئی اگنے والی چیز نہیں دین اوپر سے آنے والی چیز ہے زمین سے اگنے والی چیز نہیں ہے اوپر کی طرف دیکھئے جہاں سے دین آیا ہے وہ کیا کہتا ہے آسمان سے کیا آواز آرہی ہے وہ آواز آج بھی آرہی ہے قرآن مجید کے ذریعہ زندہ ہے اور خدا کے فضل سے ایسے لوگ موجود ہیں عقائد صحیح ہوں یعنی توحید خالص ہو اتباع سنت ہو شرک کی ہر قسم اور ہر طرح سے نفرت ہو اور نفرت کیا وحشت ہو رونگٹے کھڑے ہوجائیں کوئی کہے کہ فلاں مزار پر چادر چڑھایئے کام ہو جائے گا، فلاں مزار پر چراغ جلایئے کام ہوجائے گا آپ کو ان کے حالات کیا معلوم، یہاں خدا کا فضل و کرم ہے کہ کوئی چراغ شاید سیکڑوں برس سے جلنے نہیں پایا ہوگا کوئی چادر چڑھنے نہیں پائی ہوگی اگر چڑھی ہوگی تو اسی وقت اتار کر پھینک دی گئی ہوگی یہ کہاں سے تم نے سیکھا؟ کیا یہ مدینہ میں ہوتا تھا؟ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہوتا تھا؟ آپ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی حد سے اگر بڑھا تو فوراً اسے ٹوک دیا کہ یہ نہیں ہوسکتا کسی بادشاہ کے سامنے کوئی سجدہ دیکھ کر آیا تھا تو آپ کو سجدہ کرنے لگا آپ نے اس کو جھڑک دیا سجدہ صرف خدا کا ہے اپنی مراد مانگنا اور درخواست دینا اور خوشامد کرنا یہ سب اللہ کا حق ہے توحید خالص ہو اتباع سنت ہو شریعت کے مطابق شادیاں سادی ہوں۔

جہیز دینے کی ایک رسم ہے آپ دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا جہیز دیا جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

فاطمۃ بضعۃ منی۔

فاطمہ میرے دل کا ٹکڑا ہے۔

ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کی جو آپ کے سگے چچازاد بھائی تھے ان کے بارے میں یہ آتا ہے ان کو چکی دی اور بعض معمولی چیزیں دیں اور یہ سمجھتے ہوئے دیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر پر نہیں ہیں بیٹی جب گھر میں جائے گی تو کھانا کیسے پکائے گی کیا کھائے گی کیا کھلائے گی، اور حدیث میں آتا ہے،

اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ

وہ نکاح بڑی برکت والا ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمائیں تو برکت کہاں سے آئے گی آپ کہیں کم خرچ میں برکت ہے اور ہم سمجھیں برکت زیادہ خرچ میں ہے یہ تو بالکل مقابلہ کرنا ہے آپ اپنی معاشرت، تہذیب و اخلاق ایسے بنایئے کہ آپ کو دیکھ کر اسلام کو سمجھنے اور جاننے کا شوق پیدا ہو اور ہمارے ہندو بھائی اور ہمارے پڑوسی و ہمسایہ جو ہمارے ساتھ دفتروں اور محکموں میں کام کرتے ہیں وہ سب فرق محسوس کریں کہ مسلمان ایسا کرتا ہے راستے میں چلتا ہے ٹھوکر نہ لگ جائے پتھر ہٹا دیا کوئی گر پڑا ہے اس کو اٹھا لیا پانی کا نل بہہ رہا ہے اس کو بند کر دیا سیکڑوں آدمیوں کو ہم نے دیکھا ہے اسٹیشن پر، ٹرین آئی اور لوگ ٹرین کے انتظار میں بھی ہیں کسی کو توفیق نہیں ہوئی کہ وہ کھلے ہوئے نل کا پانی بند کردے ایک مسلمان اٹھا اور اس نے بند کر دیا کہنے لگے آپ نے کیوں تکلیف کی تو وہ کہنے لگا یہ اللہ کی دین ہے اللہ کی نعمت ہے ہمارے ملک پانی ضائع ہو رہا ہے یہ ہماری تعلیم ہے ہمارے پیغمبر نے یہی سکھایا، ایک مرتبہ کیلے کا چھلکا پڑا ہوا تھا کیلا کھا رہے تھے اور چھلکا پاؤں کے نیچے ڈال رہے تھے یہ نہیں سمجھتے کہ جب دوسری ٹرین آئے گی، لوگ نکلیں گے، لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ نیچے کیا پڑا ہے لوگ ان لینے آتے ہیں گھر آنے کی خوشی، دن بھر کے تھکے، کتنے لوگ وہاں تھے ہمیں تو ضرورت نہیں تھی ہم تو ادھر بیٹھے تھے قصداً اٹھ گئے، وہ اس کو نیچے ڈال دیا یہ آپ کو بتا رہے ہیں کہ ہمارے درمیان فرق ہونا چاہئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یجعل لکم فرقانا

کسی کا پیر پھسل جائے گا فریکچر ہو جائے گا، ہڈی ٹوٹ جائے گی، ان کو معلوم ہوا ہاں بھائی یہ مسلمانوں کی تعلیم ہے ریل پر بیٹھے ہوئے ہیں مونگ پھلی کھا رہے ہیں، مونگ پھلی کے چھلکے وہیں ڈال رہے ہیں ذرا سا ہاتھ بڑھا دیں کھڑکی پاس بیٹھے ہوئے ہیں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا۔

آپ اپنے اخلاق سے اپنی چال ڈھال سے اپنی بول چال سے اسلام کی فضیلت اسلام کا امتیاز ثابت کیجئے دیکھئے اللہ کے فضل سے پھر انشاء اللہ فرقہ وارانہ فساد کی روک تھام ہوگی اور اس کی قدر آئے گی اور آپ سے کہا جائے گا کہ اس ملک کو سنبھالئے، اس ملک کو بچایئے، اب ہمیں بھی بتایئے ہمیں بھی دکھایئے۔

اخیر میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان الدین عند اللہ الاسلام

یاد رکھئے آپ چلتے ہوئے لے کر جایئے آج یہ معلوم ہوا کہ اللہ کے یہاں جو دین معتبر ہے وہ ہے "الاسلام" الاسلام کے معنی کیا ہیں، سپرد کر دینا حوالہ کر دینا اور یہ کہ کچھ ہمارا اور کچھ اللہ کا اور کچھ ہمارے خاندان کا اور کچھ اللہ کا اور کچھ سوسائٹی کا اور کچھ سماج کا اور کچھ برادری کا ہرگز نہیں، سب کچھ اللہ کا ہے، عقائد میں اعمال میں عبادات میں اخلاق میں، تہذیب میں معاشرت میں حتیٰ کہ شادی بیاہ کی رسموں میں ہر چیز میں اللہ کے حکم کی پیروی کی جائے۔ یہ جہیز کیا مصیبت ہے کہ جہیز لڑکیوں کو دیا جاتا ہے کہ اتنا جہیز لے آئے ورنہ شادی نہ ہوگی اور جو شادی ہو بھی جاتی ہے تو مسلمانوں میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں جلا دینے کے، مار دینے کے، زہر دینے کے، ہمارے پاس کتنے خط آ چکے ہیں۔ لوگوں نے رو رو کر لکھے ہیں ہم کیا کریں ہماری اتنی بیٹیاں ہیں سب بیٹھی ہوئی ہیں ان کی فرمائش پوری نہیں کر سکتے، جہاں سے پیغام آتا ہے بس یہ کہتے ہیں فلاں چیز ضرور ملے اور فلاں چیز ضرور ملے اتنا حساب بینک میں ہو۔

بس ان سب چیزوں سے توبہ کرنا ہے اس سے بچنے کا پورا ارادہ کیجئے اور اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گذارنے کا عہد کرنا ہے وہی معتبر ہے، دیکھئے آپ ریل پر بیٹھے ہوں اگر ٹکٹ آپ کے پاس نہیں ہے اور آپ کتنی بڑی تصنیف کے بارے میں بتائیں اور اپنی جائداد کے دستاویز دکھلائیں اور اپنا نسب نامہ دکھائیں اور اپنا سامان دکھائیں کچھ کام نہ کرے گا وہاں صرف ٹکٹ کا مطالبہ ہوگا، چاہے نواب ہو چاہے رئیس وہ ٹکٹ اللہ کے یہاں اسلام ہے

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔

جو اسلام کے سوا کوئی دین لے کر قیامت کے دن آئے گا اس کو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اس کی فکر کیجئے اس کو پیدا کیجئے اس کی حفاظت کیجئے اللہ ہماری آپ کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا جمیل احمد ندوی انتقال فرماگئے

دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے قدیم مخلص کارکن پرنٹر پبلشر تعمیر حیات مولانا جمیل احمد ندوی کا مختصر علالت میں مورخہ جون ۱۹۹۲ء کی شب کو انتقال ہوگیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم انتقال سے ایک یوم قبل تک دارالعلوم کے مفوضہ امور کی خدمت فرض شناسی کے ساتھ انجام دیتے رہے، ان کو مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں کام کرنے کا شرف حاصل تھا۔ مرحوم کو دفتری معاملات میں خاصا تجربہ تھا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے (آمین) اور ندوۃ العلماء کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

قارئین کرام سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

(ادارہ)

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے قلم کا ایک تازہ اہم شاہکار۔

تہذیب و تمدن پر اسلام کے اثرات و احسانات

جس میں بڑے واضح اور متعین انداز سے انسانی تہذیب و تمدن پر اسلام کے عظیم و ناقابل فراموش احسانات اور دور رس و دیرپا نقوش و اثرات سے پوری علمی و تاریخی دیانت، فکری و تحقیقی متانت اور ایمانی حکمت و فراست کے ساتھ بحث کی گئی ہے اور ایک پھیلے ہوئے تاریخی موضوع کو دس نکات میں سمیٹ کر گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

دنیا کو اسلام کے عظیم عطیات میں عظمت انسانی اور عورتوں کے حقوق کی بحالی، توحید کے عالمی اثرات، علم و عقل کی ہمت افزائی، عالمی اخوت و مساوات، دین و دنیا کی وحدت اور ایک صالح عالمی تمدن پر خصوصی روشنی ڈالی گئی ہے۔

- ایک تاریخی جائزہ جو عصری مشکلات و مسائل کا اسلامی حل ہے۔
- دنیا کے ایک بڑے مذہب (اسلام) کے عالمگیر اثرات کی نشاندہی جو مسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لئے قابل غور و فکر ہے۔
- ملت اسلامیہ کے لئے لمحۂ فکریہ اور دنیا کی رہنمائی کے لئے سرگرم عمل ہونے کی مخلصانہ دعوت۔
- انسانیت کے حال و مستقبل اور اسلام سے تعلق رکھنے والے ہر مخلص حق جو یا محقق انسان کے لئے ایک نایاب تحفہ!

اعلیٰ کتابت، آفسٹ طباعت، قیمت اعلیٰ ایڈیشن ۔/۱۸، عام ایڈیشن ۔/۱۲، عربی ۔/۱۰، انگریزی ... نوٹ: صرف قیمت کتاب پیشگی بھیجنے والوں کو کتاب مصارف ڈاک کی رعایت کے ساتھ رجسٹری بھیجی جائے گی۔

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ ندوۃ العلماء

تعزیہ داری وعزاداری

ڈاکٹر ہارون رشید صدیقی

لفظ تعزیہ عربی کا مصدر ہے جس کے معنی ہیں تسلی دینا۔ اسی لفظ کو ہم اردو والے لمبی "ت" سے تعزیت لکھتے ہیں کسی کے انتقال پر اس کے ورثاء کے پاس تسلی وتسکین و پرسان حال کے لئے جانے کو یا خط وغیرہ کے ذریعہ پیغام تسکین پہنچانے کو تعزیت کہتے ہیں اور یہ اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے لیکن لفظ تعزیہ جو عربی لفظ ہے اسی املے کے ساتھ اردو ادب میں ایک خاص معنی میں مستعمل ہے جس کا تعلق ایک خاص رسم سے ہے اس مختصر مضمون میں اسی "تعزیہ" پر گفتگو مقصود ہے۔

ہمارے زمانے میں بانس کی تیلیوں اور کھپچیوں سے بنی ہوئی اور رنگین کاغذ سے منڈھی ہوئی سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کی شبیہ کو تعزیہ کہتے ہیں اس کے اندر ایک فرضی تربت ہوتی ہے۔ یہ تعزیے اپنی چھوٹائی بڑائی اور منڈھے جانے والے کاغذ کی قیمت اور منڈھنے کی جدت وفن کاری اور اس کی سادگی یا تزئین کی صنعت کے اعتبار سے بے شمار قسم کے ہوتے ہیں اور ان روضہ کی شبیہ کی زیارت سے زیادہ حسن صنعت سے آنکھیں ٹھنڈی کی جاتی ہیں اور صنعت کار اس کے فن کی داد دی جاتی ہے۔

یہ تعزیے بعض مقامات پر محرم کی شروع تاریخوں میں طرح طرح کے جلوسوں میں نکالے جاتے ہیں اور پھر ۹/محرم کی شام کو ایک خاص جگہ پر رکھے جاتے ہیں، لوگ ان کی زیارت کو آتے ہیں، ان کے گرد حسب حیثیت روشنی اور خوشبو، سبیل اور ماتمی باجوں کا اہتمام ہوتا ہے اور عموماً ہر تعزیہ پر چڑھاوا بھی چڑھتا ہے۔ بس اسی رسم کو تعزیہ داری کہتے ہیں اور اس رسم کے ادا کرنے والے تعزیہ دار کہلاتے ہیں۔

عزاداری: عزا بھی مصدر ہے جس کے معنی صبر کرنے کے ہیں لیکن محرم میں تعزیہ رکھنے اور غم منانے کو اردو ادب میں عزاداری سے تعبیر کیا گیا ہے۔

خدا معلوم شبیہ روضہ حسین رضی اللہ عنہ کو تعزیہ کا نام کیسے دیا گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن عقیدت مندوں کو روضہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی زیارت سے سکون ملتا تھا عدم زیارت سے ان کو بے قراری ہوئی انھوں نے شبیہ کی زیارت سے اپنے دل کو تسلی وتسکین بہم پہنچائی اور اسی مناسبت سے اس کا نام تعزیہ رکھ دیا اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر صبر کے بجائے ہر سال اظہار غم والم بلکہ ماتم وسینہ کوبی کا نام عزاداری رکھا جانا سمجھ میں نہیں آتا، غالباً عزاداروں کی یہ تاویل ہو کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا غم اتنا عظیم ہے کہ اس پر جو بھی اظہار غم کیا جائے وہ دائرہ صبر سے خارج نہ ہوگا۔ بقول کسی شاعر کے:

درد یہ اور کو ملتا تو وہ مر ہی جاتا
کرکے نالے بھی نازِ شکیبائی ہے۔

عزاداری اور تعزیہ داری کی یہ عام شکل ہوئی لیکن اس کے مکمل احاطہ کے لئے دفتر درکار ہے یہاں اجمالی تفصیل پر اکتفا کی جاتی ہے۔

یہ تعزیے عزاداری کے طور پر بھی رکھے جاتے ہیں اور حاجت روائی کے لئے بھی رکھے جاتے ہیں۔ جن کے یہاں بچہ نہیں ہوتا یا ہوتا تو ہے زندہ نہیں رہتا یا اور کوئی مصیبت آتی ہے۔ بیماری نہیں جاتی، مقدمہ الجھا ہوا ہے یا کوئی بھی حاجت ہے لوگ اس کے لئے نذر مانتے ہیں۔ پھر جب ان کے خیال میں ان کی حاجت پوری ہو جاتی ہے تو وہ تعزیہ رکھتے ہیں آپ جس مفتی سے چاہیں اس پر فتویٰ لیں آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ کام اسلام کے خلاف ہے بعض لوگ تعزیہ کے سامنے چڑھاوا بھی اسی نیت اور نذر کے طور پر چڑھاتے ہیں جب کہ بعض حضرات برکت حاصل کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں اور اس چڑھاوے کو تبرک سمجھ کر کھاتے ہیں۔

بعض جگہ تعزیہ وغیرہ کو مزہبی سے جلوس نکالے جاتے ہیں جن میں علم ہوتے ہیں جن کے سروں پر عموماً پنجے اور سروں کی شکلیں ہوتی ہیں، اور حسب حیثیت شربت کی سبیلوں اور ماتمی باجوں کا انتظام ہوتا ہے یہ جلوس محلہ محلہ اور گاؤں گاؤں پھرائے جاتے ہیں بظاہر یہ جلوس اس بدبخت یزیدی فوج کی نقل معلوم ہوتے ہیں، جس نے تاریخی روایتوں کے مطابق شہدائے کربلا کے سر اور ہاتھوں کو نیزوں پر اٹھا کر جلوس کی شکل میں ابن زیاد بدنہاد کے دربار میں پہنچانے کی گستاخی کی تھی لیکن تاویل یہ کی جاتی ہے کہ ہم ان سروں اور پنجوں کی شبیہوں سے برکت حاصل کرتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے واقعہ کربلا کے غم کو تازہ کرتے ہیں اور اموی فوج کے ظالموں کے خلاف اپنی نفرت وعداوت کو مشتعل کرکے ثواب حاصل کرتے ہیں۔

۹/محرم کی شام کو یہ تعزیے زیارت گاہ میں رکھ کر رات بھر ان کی زیارت کی جاتی ہے، اور ۱۰/کی صبح کو ماتمی جلوس کے ساتھ دفن کرتے ہیں جس جگہ یہ تعزیے دفن ہوتے ہیں وہ کربلا کہلاتا ہے۔

۱۰/محرم کے تیسرے روز تیجا کیا جاتا ہے اس میں تو صرف فاتحہ خوانی وغیرہ پر اکتفا کی جاتی ہے لیکن بہت سی جگہوں پر چالیسویں روز چہلم (چالیسواں) منایا جاتا ہے جس میں پھر اسی دھوم دھام سے تعزیہ رکھا جاتا ہے اور صبح کو اسی شان کے ساتھ دفن کرتے ہیں۔ کہیں کہیں ۱۰/محرم کو تعزیہ دفن کرنے کے بجائے محفوظ کر لیتے ہیں اور چہلم میں اسی کو دفن کرتے ہیں۔

بہت سی جگہوں پر پایک بنانے کی رسم ادا کی جاتی ہے عموماً پیک بننے والے نذر ومنت ہی کے تحت بنتے ہیں، ۹/محرم کی شام کو ایک خاص رسم کے تحت ایک خاص لباس پہنتے ہیں بلکہ پہنائے جاتے ہیں جس میں پائجامہ، عبا، عمامہ، کمر میں گھونگرو اور ہاتھ میں چھڑی ہوتی ہے، یہ پایک رات بھر تعزیوں کی زیارت میں مشغول رہتے ہیں، اور یا حسین اور یا علی کا نعرہ بلند کرتے ہوئے دوڑتے رہتے ہیں، جب تک تعزیہ دفن نہ ہو جائے ان کے لئے بیٹھنا منع ہوتا ہے حتی کہ قضائے حاجت بھی کھڑے کھڑے کرتے ہیں جب تعزیہ دفن ہو جاتا ہے تو یہ بھی اپنا لباس بدلتے ہیں،

اب تعزیوں کے ساتھ اور بھی مختلف شکلیں بنائی جاتی ہیں جیسے علی اصغر کی شبیہ جس میں پچاسوں تیر چبھے ہوتے ہیں نیز دلدل وغیرہ کی شکلیں۔

یہ تعزیہ داری اصلاً شیعوں کی ایجاد ہے اور عزاداری کو ان ہی حضرات نے رواج دیا ہے لیکن اپنے دلکش اور جذباتی عنوان یعنی "محبت اہل بیت اور ان کے مصائب پر اظہار غم" کے سبب بہت سے سنیوں میں بھی رواج پا گئی

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ کیا واقعی تعزیہ داری اور عزاداری کے ایجاد کرنے والوں اور اس کو اپنانے والوں کے دلوں میں اہل بیت کی محبت ہے اور جو لوگ تعزیہ داری نہیں کرتے یا اسے منع کرتے ہیں کیا ان کے دل محبت اہل بیت سے خالی ہیں؟ ہرگز نہیں ہم اہل سنت والجماعت ہی اہل بیت سے سچی اور حقیقی محبت رکھتے ہیں اس لئے کہ ہم شادی ہو یا غمی، وقت راحت ہو یا مصیبت ہر حال میں اللہ کے رسول کی تعلیم کے مطابق ہی اپنے کو رکھتے ہیں صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی روش نہیں چھوڑتے، رہے یہ شیعہ حضرات تو ان کی تو دنیا ہی نرالی ہے، اب شیعہ حضرات نہ اس کو سمجھ سکیں گے اور نہ مانیں گے ورنہ ابتداء ایک سازش کے تحت شیعت کا وجود ہوا تھا، جس نے اللہ کے محبوب بندوں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین دوستوں حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کو معاذ اللہ ظالم، غاصب اور ملحد قرار دیا۔ جس نے چند صحابہ کو چھوڑ کر سارے صحابہ کو مرتد کہدیا، جس نے قرآن کو محرف قرار دیا۔ بظاہر انھوں نے حضرت علی کو مانا لیکن غور کیا جائے تو اپنے زعم باطل میں ان کو بھی کہیں کا نہ رکھا، حضرت ابوبکر حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم سے ان کی بیعت کو تقیہ پر محمول کیا تازندگی حضرت علی رضی اللہ عنہ اسی اسلام کی تعلیم دیتے رہے اور اسلامی اعمال اسی طرح انجام دیتے رہے جس طرح خلفائے ثلاثہ ادا کرتے رہے اس کو بھی انھوں نے تقیہ سے تعبیر کیا ہے۔

باقی صـ ۶ پر

مدرسۃ الفلاح اندور کا سالانہ جلسہ

قاضی افتخار الدین ندوی

مدرسہ الفلاح اندور کا سالانہ جلسہ ۱۳ مئی کو زیر صدارت حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی منعقد ہوا اس جلسے میں اندور — دھار، دیورس بھوپال، بمبئی — کھرگون — دیپالپور — کے ندوی حضرات نے اور دیگر ذی علم حضرات نے شرکت کی حضرت مولانا ۱۲ مئی کو بمبئی سے اندور تشریف لے آئے تھے، آپ کے ہمراہ بانی مدرسہ مولانا معین اللہ صاحب عبدالکریم پاریکھ صاحب اور قاری محمد قاسم صاحب بھی تھے جلسہ بعد نماز مغرب منعقد ہوا شہر اندور کے مقامی حضرات کی کافی تعداد اس میں شریک ہوئی حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا تعلیم خصوصاً مذہبی تعلیم ایمان اور عقیدہ پر اپنے بچوں کو قائم رکھنا بہت زیادہ ضروری ہے شرک اور کفر سے اپنے بچوں کو اس طرح نفرت دلاؤ جس طرح غلیظ وگندی چیز سے دلائی جاتی ہے اور ان میں اس سے گھن پیدا ہو خواب میں اگر بچوں کو شیر دکھائی دے اس سے اتنے خوفزدہ نہ ہوں جتنا اس سے کہ خواب میں اگر کوئی مورتی گھر میں داخل ہوتی دکھائی دے، سارے گھر کے انسان اس خواب سے بےچین اور پریشان ہو جائیں اور خوفزدہ ہو جائیں یہ کہیں کہ یہ کیسے ہو گیا توحید کے معاملے میں اتنا احساس ہر گھر اور ہر خاندان میں ہونا ضروری ہے۔ پاریکھ صاحب نے اصلاح معاشرہ اور خصوصاً موجودہ دور کی شادیاں اور اس میں جو فضول خرچیاں اور بے حیائی اور بدتمیزی کے جو مظاہر ہوتے ہیں اس پر روشنی ڈالی ہمیں اور خاصکر پڑھے لکھے حضرات کو آگے آکر اپنے اپنے حلقوں میں ان خرابیوں کو دور کرکے سادگی کے ساتھ اور سنت کے مطابق شادی کا رواج ڈالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

یکم جون کو ندوی فضلاء کا جلسہ

یکم جون کو ندوی فضلاء کا جلسہ شب میں اخوان الندوہ کا جلسہ آزادنگر میں مولانا ولی اللہ صاحب ندوی کے مکان پر منعقد ہوا جس میں تقریباً ۲۸ ندوی حضرات نے شرکت کی۔ بمبئی سے مولانا عبداللہ ندوی مولانا محمد عمر ندوی بھوپال سے مولانا لقمان خان ندوی مہتمم تاج المساجد ندوہ کے اساتذہ میں مولانا محمود الازہار ندوی مولانا ابوالبرکات صاحب اندور مولانا ولی اللہ صاحب ندوی مولانا زبیر ندوی اندور قاضی افتخار الدین ندوی قاضی اطہر دیپالپور نائب قاضی بھوپال مولانا مشتاق ندوی مولانا حسین احمد ندوی شاجاپورہ قابل ذکر ہیں۔ منادر قاضی فضل اللہ ندوی محمد اسلام صاحب ندوی اندور۔ عبدالغفار ندوی دھار عبداللہ ندوی مدرسہ الفلاح اندور۔

اجلاس کے بعد سب ندوی حضرات مولانا مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا کہ ہمیں آپ نصیحت فرمادیں حضرت مدظلہ نے فرمایا کہ اول آپ حضرات کو عوام سے رابطہ قائم کرنا چاہئے اس کی سخت ضرورت ہے اس کے لئے امامت کا سلسلہ یا نہیں تو درس کا سلسلہ قائم کریں۔ مسلم معاشرہ میں کئی کئی راستوں سے شرک اور کفر داخل ہو رہا ہے۔ اس سے ان کو نکالیں اور خالص توحید کی دعوت دیں اپنی مادر علمی سے رابطہ قائم رکھیں کم از کم سال بھر میں ایک بار ایک ہفتہ کے لئے آئیں ہم قیام وطعام کا پورا پورا اہتمام کریں گے اپنے ادارہ کو دیکھیں اور کسی طرح کی کوئی خامی ہو تو ہمیں بلا جھجک بتائیں ہم ضرور اس کو درست کریں گے اپنے ادارہ کا ہر طرح تعاون کریں ندوی حضرات جہاں کہیں بھی ہوں ان کا رشتہ اپنی مادر علمی سے باقی رہنا ضروری ہے، ندوی برادری ایک کنبہ اور خاندان ہے جس طرح کنبہ اور خاندان کے لوگوں میں آپس میں محبت ہوتی ہے ایسی محبت آپس میں ہونا ضروری ہے درس وتدریس کے ساتھ لکھنے پڑھنے کا کام بھی آپ حضرات کو کرنا ضروری ہے اپنے اپنے علاقے کے رسالوں میں آپ کے مضامین آنا چاہئے معاشرہ میں جو وقت وقت پر بگاڑ آتا ہے اس کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے مولانا مدظلہ کی اس نصیحت کے بعد اجلاس شروع ہوا اور اس میں اپنی نصیحتوں پر غور وخوض کیا گیا یہ طے کیا گیا کہ حضرت کی نصیحت کے مطابق عوام سے رابطہ نہایت ضروری ہے۔ رابطہ قائم کرنے کی کیا کیا شکلیں ہوں اس پر پوری وضاحت سے بحث ہوئی اور بالاتفاق یہ طے کیا گیا جو بھی شکل جس جگہ کی ہو اس کے مطابق ہر ندوی اپنا رابطہ قائم کرے مولانا کی نصیحت کے مطابق ہر ندوی کو چاہئے جس علاقے میں رہتا ہو سال بھر میں ایک بار ندوۃ العلماء ایک ہفتہ کے لئے ضرور جائے تاکہ ہمارا رشتہ اپنی مادر علمی سے اور بزرگوں سے جڑا ہوا ہے مدھیہ پردیش میں پچھلے کچھ سالوں سے اخوان الندوہ کا قیام عمل میں آچکا ہے بھوپال اس کا ہیڈ دفتر ہے۔ اور مولانا حبیب ریحان صاحب ندوی ازہری اس کے صدر ہیں اور مولانا حسین احمد ندوی اس کے سکریٹری ہیں جب بھی ہر ہر سال جب تبلیغی جماعت کا اجتماع ہوتا ہے اس زمانے میں اخوان الندوہ کا اجلاس بھی اخیر تاریخوں میں منعقد کر لیا جاتا ہے۔ یہ بھی طے کیا گیا کہ ندوی حضرات جو مدھیہ پردیش میں جہاں بھی کہیں رہتے ہیں ان کے مکمل پتے ہیڈ آفس کو بھیجدیئے جائیں تاکہ جب بھی ضرورت ہو بروقت ان کو مطلع کیا جاسکے۔

سوال وجواب

محمد طارق ندوی

سوال:- سرکاری ملازمت ختم ہونے کے بعد فیملی پنشن کا ملنا جائز ہے یا ناجائز ہے۔؟

جواب:- فیملی پنشن کا ملنا جائز ہے کیونکہ وہ ایک انعام ہے جو حکومت کی طرف سے ملازم کے ورثاء کو ملتا ہے۔

سوال:- کیا بینک سے پیسے لے کر کاروبار کیا جاسکتا ہے؟

جواب:- نہیں، بینک سے پیسے لے کر کاروبار کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ بینک رقم دے کر اس پر سود لیتا ہے اور سود لینا اور دینا دونوں حرام ہے

سوال:- ایک شخص داڑھی منڈاتا ہے کیا وہ اذان واقامت کہہ سکتا ہے؟

جواب:- جائز ہے لیکن مکروہ ہے کیونکہ اذان واقامت بھی دیندار لوگوں کو کہنا چاہئے لیکن اگر اس نے اذان واقامت کہدی تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

(یکرہ اذان الفاسق ولا یعاد)

فتاوی عالمگیریہ صـ۵۳ جلد اول

سوال:- لائف انشورنش کرانا جائز ہے یا نہیں۔؟

جواب:- جیون بیمہ کرانا جائز نہیں ہے کیونکہ بیمہ میں قمار (جوا) اور سود دونوں ہیں۔

سوال:- کیا معتکف بیڑی سگریٹ پینے کے لئے مسجد سے باہر نکل سکتا ہے؟

جواب:- بیڑی، سگریٹ پینے کے لئے مسجد سے باہر نکلنا معتکف کے لئے درست نہیں ہے بلکہ جب وہ اپنی حاجات ضروریہ کے لئے جائے تو بیڑی، سگریٹ پی لے۔

....••

بقیہ درس حدیث

خانہ خدا میں جمع ہو کر تلاوت کلام پاک کی فضیلت کو واضح کرتی ہے اور اس کا شوق دلاتی ہے۔

ا۔ صحیح مسلم شرح نووی باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن

۲۔ شرح الاربعین النوویۃ، ابن دقیق

۳۔ شرح الاربعین النوویۃ